

گاسپین لٹاٹ

وہ کہہ رہی تھی کہ

اب نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب
اب کسی ابجد سے زندانِ ستم کھلتے نہیں
بزرگجادوں پر بیٹھی بیبیوں نے
جس قدر حرفِ عبادت یاد تھے، پوچھنے تک
انگلیوں پر گن لیے
اور دیکھا۔ رحل کے نیچے لہو سے
شیشہ محفوظ کی منی ہے سرخ
سطر مستحکم کے اندر لبت و در باقی نہیں
یا الہی مرگ لوسف کی خبر سچی نہ ہو
ایلی کیسے بلا و مھر سے
سوئے گنعاں آئے ہیں
اک جلوس بے تماشا گلیوں بازاروں میں ہے
تعزیر بردوش انبوہ ہوا۔
روزنوں میں سر بر بندہ مائیں جس سے مانگتی ہیں
منشوں کا اجر، خواہوں کی زکوٰۃ۔

وَاِنَّا لِلّٰهِ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ، اِنَّا لِلّٰهِ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ
اس نے قرآن پاک پڑھ کر جزدان میں لپیٹا اور اٹھا کر
رحل میں رکھ دیا۔ فضا کی مہیب تاریکی میں گولیوں کی
چھنا چھن گونجی، چند چیخیں ابھریں اور پھر خاموشی
چھا گئی۔

”مال بھوک لگ رہی ہے“ ننھا علی کسمسایا۔
”ہاں بیٹا بس کچھ دیر“ اس نے کوئی چوتھی مرتبہ
اسے بہلا دیا۔

”مال! بابا نہیں آئے؟“ مریم کی بھی آنکھیں کھلی تھیں۔
”نہیں۔ تم سونے کی کوشش کرو“ وہ ان کے
قرب جا بیٹھی۔
”نیند نہیں آ رہی مال؟“ وہ اٹھ بیٹھی۔
”مال بھوک لگ رہی ہے“ علی نے پھر آنکھیں کھلیں۔
”دیکھو بیٹا۔ آج کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے؟
ابھی تیرے بابا آئیں گے نا تو وہ بے کرائیں گے؟“
”مال کیا کسی کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے؟ علی
کی معصوم آنکھیں اس پر مرکوز تھیں۔
”نہیں بیٹا“ اس نے زور سے آنکھیں میچیں۔
”کیا اللہ میاں کے پاس بھی نہیں؟“ شدید بھوک
اسے اگسا رہی تھی۔
”نہیں بیٹا۔ اللہ میاں کے پاس تو سب کچھ ہے
وہ کسی کا محتاج نہیں“ اس نے اس کا سر اپنی گود میں
رکھا۔
”تو پھر جب اس کے پاس سب کچھ ہے تو وہ کیوں
ہمیں نہیں دیتا۔ کیا اسے نہیں پتا ہمیں بھوک لگی ہے
میاں جی تو کہہ رہے تھے، وہ سب کچھ دیکھتا ہے شاید
اندر اندھیرا ہے اس لیے میں اسے نظر نہیں آ رہا ہوں
باہر روشنی میں جا کر کھڑا ہوتا ہوں۔ پھر میں انہیں نظر آؤں
گا اور اللہ میاں میرے لیے ڈھیر سارا کھانا بیچ دیں
گے۔ پھر میں اور مریم پھوپھو بھی کھالیں گے اور آپ
بھی“

جناں

وہ ایک لحنت اس سے ہاتھ چھڑا کر باہر کی طرف بھاگا۔

”نہیں۔ علی۔ چنڈا۔ جان رگو۔ باہر مت جاؤ۔ وہ اس کے پیچھے لپکی۔ لیکن تب تک وہ دروازہ کھول کر باہر نکل چکا تھا۔ تر۔ تر۔ تر۔ فارتنگ کی آواز گونجی تھی اور اس کا دل جیسے بند ہو گیا تھا۔

کون کہتا ہے ہم اس جہاں سے منہ ہاتھ ملتے ہوئے، دل ملتے ہوئے سوئے شہر عدم کو چکر جائیں گے۔ اس نے زمین پر بیٹھ کر نقشہ پھیلا دیا۔ ”کل ٹھیک دو بجے یہاں آپریشن ہوگا۔ اس نے ایک مقام پر سرنخ مار کر سے گول دائرہ کا نشان لگایا۔

”یہاں سے کامران تم اور فرار۔ اگلے چوک پہنچو گے، وہاں پر سرنخ رنگ کی ایک گاڑی کھڑی ہوگی۔ اس گاڑی میں بیٹھ کر تم کو اس مقام پر پہنچنا ہے۔ اس نے پھر ایک جگہ نشان لگایا۔

”یہ وہ جگہ ہے جہاں پر کل اغوا کی جانے والی عورتیں رکھی گئی ہیں۔ اندر پہنچنا تمہارے لیے مسئلہ نہیں ہوگا۔ صرف ان کو باہر لانا اور محفوظ رکھنا۔ پر پہنچانا مسئلہ ہے۔ اس کے لیے جو بھی حکمت عملی وضع کی گئی ہے وہ کل روانگی سے قبل نہیں بتادی جائے گی اور تم شبیر میرے ساتھ چلو گے۔ شبیر کے منہ سے نہیں گیدڑ کے منہ سے نوالہ چھیننے۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔ اور تب شبیر نے دیکھا عقد شاہ کس قدر خوبصورت ہے۔

”اب اس چراغ کو بجھا دو۔ کیونکہ مزید ایک ہفتہ تیل کہیں سے نہیں ملے گا۔ شدید ترین ٹینشن میں بھی خود کو پرسکون رکھنے کا فن بہر حال وہ جانتا تھا۔ ”کیا۔ یہاں پر اللہ میاں ہے؟“ معصوم سی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ سب ہی الارٹ ہو گئے۔ ”کون ہو تم؟“ سامنے آؤ۔ عقد نے پکارا۔ دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

”میں پوچھتا ہوں۔ کون ہے؟“ اب کے اس ہچم مزید سخت ہو گیا۔ وہ آگے بڑھا اور ستون کے پیچھے چھپے وجود کو باہر کھینچ لیا۔

”یہ کہاں سے آگیا؟“ وہ حیرت زدہ ہوئے۔ ”ظاہر ہے دروازے سے دیکھ لی اپنی لاپرواہی اور شاندار کارکردگی؟“ وہ غصے میں ان کی طرف گھوما۔ ”بچہ ہی تو ہے؟“ شبیر نے زبان کھولی۔

”بچہ جاسوس کا بھی ہو سکتا ہے۔ اور جس طرح یہ اندر آگیا ہے۔ اسی طرح کوئی اور بھی آ سکتا ہے۔“ بچے کے بازو پر اس کی گرفت سخت ہوئی تھی۔ ”کیا یہاں پر بھی اللہ میاں نہیں ہے؟“ وہ مایوس ہوا۔ پھر تو یہاں بھی کھانے کو کچھ نہیں ہوگا لیکن مجھے تو بھوک لگ رہی ہے۔ باہر بھی پھر اللہ میرا ہے۔ آخر میں اللہ کو کیسے نظر آؤں کہ مجھے دیکھ لے وہ؟“

عقد نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر بے اختیار اس کی آنکھیں لبریز ہو گئیں۔ ”شبیر! اسے کچھ کھانے کو دو؟“ اس نے لب بھینچے اور بچے کو دھیرے سے آگے دھکیلا۔ ”لیکن کھانے کو تو یہاں بھی کچھ نہیں ہے۔“ کامران نے کہا۔

”آؤ ناں بھائی روشنی کریں۔ پھر ہم سب اللہ نظر آئیں گے۔ وہ تو کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے باہر کی طرف کھینچنے لگا۔ ”نہیں بیٹا! اللہ ہر جگہ دیکھ سکتا ہے اور وہ غافل نہیں ہے۔ ہم سے، اُسے پتا ہے ہم کن مشکلوں میں ہیں اور وہ انہیں آسان بھی کرے گا۔ نہیں بھوک لگی ہے ناں۔ آؤ میں تمہیں کھلاتا ہوں۔“ اس نے علی کو گود میں اٹھایا۔

”تم سب بھی نکلنے کی کرو۔“ وہ ان سے کہتا منہ کے گرد کپڑا لپیٹ کر پچھلے دروازے سے باہر نکل آیا۔ ”تم اس وقت باہر کیوں نکلے بیٹا؟“ اس نے اپنے کندھے پر سر لگائے علی سے پوچھا۔

”بھوک لگ رہی تھی ناں، صبح بھی اماں نے کھانے کو نہیں دیا۔ بابا گھر پر نہیں ہیں پتا نہیں کہاں چلا گیا ہے؟“ وہ جیسے خود بول رہا تھا۔

”تھر کارستہ یاد ہے تمہیں؟“ اس نے پوچھا۔ ”اماں کہتی ہیں۔ ہمارے گھر پر دشمنوں نے قبضہ کر لیا ہے، ہمارا گھر تو ہمارا ہے بھلا دشمنوں نے بیوں قبضہ کر لیا ہے۔ اور بھائی! یہ دشمن کیا ہوتے ہیں؟“

”تمہیں بھوک لگی تھی ناں بیٹا۔ اور بھوک سے مجبور ہو کر تم باہر نکل آئے۔ اسی طرح لوگ جب بھوکے ہوتے ہیں تو ان کی بھوک وحشت بن جاتی ہے تب وہ دوسروں سے چھین کر کھاتے ہیں۔ لیکن تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آنے والی؟“ اس نے ایک دروازے کے آگے رگ کر بولے سے دستک دی۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ بند کرنے سے پہلے اس نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ کوئی اس کے پیچھے تو نہیں آیا۔

”ملاحظہ کر رہے بابا؟“ اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

بابا نے اشارے سے زمین کی طرف اشارہ کیا۔ وہ علی کو دیکھ چھوڑ کر ایک تاریک سے کونے کی طرف گیا اور پھر غائب ہو گیا۔ سیر پھیاں اتر کر اس نے ماچس کی تیلی جلائی۔ ملاحظہ آخری سیر پھی پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔

”مٹی!“ اس نے بولے سے پکارا۔ ”جی!“ وہ سیدھی ہوئی۔

”پہلے کچھ کھانے کو ہے تو دے دو باقی تفصیلات میں آکر لیتا ہوں۔“

”یہ مٹی بھر چنے پڑے ہیں۔ یہی لے جائیں کوئی مہمان ہے؟“

وہ جانتی تھی اس کا بھائی اتنا بے صبر تو ہرگز نہیں تھا۔ اس نے کٹوری سے چنے مٹی میں بھرے اور سیر پھیاں چڑھ کر اوپر آگیا۔ علی بابا کے پاس بیٹھا باتوں میں مشغول تھا۔ کتنی معصوم ہوتی ہے یہ عمر اور اس عمر میں انہیں شعور کی وہ حدیں پھلانگنے پر مجبور کر دیا گیا ہے جس نے ان کی ساری معصومیت نوج لے لی ہے۔ اس نے سوچا اور مٹی میں بھرے چنے اس کی جھولی میں ڈال دیے۔

”اچھا بابا۔ اس کا خیال رکھنا، صبح اس کو بھی پہنچانا ہے۔ آپ آرام کریں۔ میں اپنا کام بیٹا لوں۔“ وہ دوبارہ اُسی کونے کی طرف چلا گیا۔

”ہاں مٹی! اب جلدی سے ساری تفصیلات بتا دو۔“ وہ مٹی کے ساتھ اس نقشے پر جھجک گیا۔ جسے آج کا سارا دن لگا کر اس نے بنایا تھا۔

”اور کون کون ہے تمہارے ساتھ؟“ اس نے ایک جگہ پر نشان لگا کر اس کی طرف دیکھا۔

”نوریز چاچا کی شائلہ، بالو، اور دیپو چاچا کی لکشمی۔“

”کیا؟“ وہ چونکا۔ یہ لکشمی کو کس نے خبر دی؟ اس کی بھنویں تن گئیں۔

”وہ خود ہی آئی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ کل کے اخبار میں وہ اس سلسلے میں فیچر بھی چھاپے گی۔“ مٹی نے وضاحت کی۔

”اوہ! مٹی۔“ وہ ہمارے دشمن کی بیٹی ہے اور دشمن کو ساتھ ملانے کا مطلب ہے کہ ہم اپنے ہاتھوں اپنے گھر میں پسند آڈال لیں۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”وہ ایسی نہیں ہے بیٹا۔ وہ تو خود اس بربریت کی مخالف ہے۔ اس کے خلاف فیچر لکھ رہی ہے آپ کو نہیں پتا۔ کتنی مخالفت مول لے کر وہ ایسا کر رہی ہے۔“ مٹی نے اس پر لگائے جانے والے الزام کی تردید کی۔

”اسی لیے کہہ رہا ہوں۔ مانا وہ دل کی بُری نہیں ہے لیکن اس کے گھر والے، اس کے ہم مذہب اس کی نگرانی میں ہوں گے۔ اور وہ سب کی نظروں میں ہو گی۔ یہ کام جو تم نے صبح انجام دینا ہے۔ اس کی خبر ان سب کو ہو چکی ہوگی۔ اور وہ سب جو کس ہو چکے ہوں گے۔ آئندہ سے لکشمی کو ساتھ ملانے کی کوئی ضرورت نہیں اور صبح کا آپریشن کینسل۔ دوبارہ وقت کا تعین میں خود کروں گا۔ لیکن یاد رہے لکشمی کو اس کی خبر نہ ہو۔“

اس نے نقشہ لپیٹ کر الماری میں رکھا۔ اور وہ دونوں تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔

چڑ کا وقت ہو گیا تھا۔ کہیں دور سے اذان کی

آواز سنائی دی اور وہ وضو کر کے جاننا زہر چاکھڑا ہوا۔ سجدے میں گھٹی دیر وہ قلع کی دغا میں ملگتا رہا۔ آنکھوں سے برسات پونہ رہی۔

”بھائی باہر دستک ہو رہی ہے“
”مٹی نے اسے بتایا تو وہ چپے پر ہاتھ پیرتا اٹھ کھڑا ہوا۔ محسن سے گورنے ہوئے اس نے ایک نظر سوئے ہوئے علی پر ڈالی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔“

”کون؟“ اس نے پوچھے سے پوچھا۔
”میں ہوں۔ ایک دیکھو آواز ابھی۔“
”مٹی کھر پر نہیں ہے؟ اس نے جھوٹ بولا۔“
”اچھا؟ آواز میں ہے پتا مالو کی سمٹ آئی تھی اس نے چند لمحوں تک اس کے جانے کا انتظار کیا اور پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ اپنے منھوں راستے پر اس نے قدم رکھے ہی تھے کہ ایک فحش وہ اس کے سامنے آکر دی ہوئی۔
”راجہ جارجی! سنئے؟“ اس نے دونوں ہاتھ مانتے پیرے جا کر پر نام کیا۔

”راستہ چھوڑو؟“ اس کا لہجہ ایک دم سخت ہو گیا۔
”کیا آپ نے صرف میری وجہ سے آج کا پروگرام کیسٹل کیا ہے؟“ اس نے ذرا بھی پروا نہ کی تھی اس کے سخت لہجے کی۔

”میں تمہیں کوئی بھی جواب دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔“ اس نے لب بھینچتے اور ہال بار بار میرے سامنے آکر میرا صبر مت آزما یا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے کسی ہم قوم کا دلہن تم سے لینے پر مجبور ہو جاؤں۔“

”انتہا تو مجھے یقین ہے راجہ جارجی! اگر آپ کی انکھی وہ میل آئی نہیں سکتا جو میرے مذہب کے ہر مرد کی آنکھ میں ہے۔“ وہ عقوراً سا سسکائی۔ ”مجھے تو آج ہی گناہگار ٹھہری وجہ سے آپ اپنا وقت ضائع نہ کریں، اگر آپ کو میرا اعتبار نہیں تو آئندہ سے میں کسی پروگرام میں شامل نہیں ہوں گی۔ لیکن اتنا یاد رکھیے گا کہ میرے لیے میرے بھی جذبات ہیں جو ہر ملتان کے ہیں۔“

وہ ہنسنے لگا ساتھ والی گلی تک روپوش ہو گئی۔ اور وہ سر جھٹکنا آگے بڑھ گیا۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ کیا واقعی ہم کامیاب ہو سکتے ہیں؟“ خوشی اس کے انکھوں سے پھوٹ نکلتی تھی۔
”ہاں ہمیں ہر محاذ پر فتح نصیب ہوئی ہے۔ اس لیے کہ سچ کی ہمیشہ ہی جیت ہوتی ہے۔“ وہ اس نے اس کے بڑھ کر ان کے ہاتھ جوئے۔ ”میں مسکراتے ہوئے اس نے کہا کہ تو اب اس میں جو اسے کوئی شک نہیں دے سکتا۔ کوئی بھی نہیں؟“ وہ جذبات سے اس کی آواز بوجھل ہو گئی۔

”اچھ! خیر تو آپ نے سنی نہیں؟“ جیسا کہ بڑھا۔
”کیا؟ اس نے ان کی طرف دیکھا۔“
”کل کاچ روڈ پر جلوس نکالا جائے گا۔ اس کی قیادت ہم کریں گے۔ تمام طلباء و طالبات مل کر اس کی قیادت کریں۔ یہ جلوس نہایت بڑا ہو گا۔ ہاں اگر کسی نے گزارد پھیلانے کی کوشش کی تو پھر ہم بھی چپ نہیں رہیں گے۔ جب تک ہم دشمن کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں گے۔ اتنی ذہینیت دوسرے سامنے ہاں مولائے قیدیوں کو قہقہے لے کر آ رہے اور ہمارا اگلا آپریشن سب سے سخت ہو گا۔ اس نے تمام تفصیلات بتائیں۔
”اگر کسی کو کوئی اہم بات یاد ہو جائے تو بتائے؟“ اس نے سر کو اٹھا کر سب کی طرف دھڑائی۔

”سری نگر کے حالات ابھی بہت دگرگوں ہیں؟“ کمال نے کہا۔
”تو؟“ وہ اس کی طرف مڑا۔

”میرا خیال ہے پہلے ہمیں چھوٹی میرا مطلب ہے کہ رقبے والی جگہوں پر آپریشن کرنا چاہیے۔ وہاں سے جو اختیار ہاتھ لگیں گے اس سے ہماری طاقت میں بھی اضافہ ہو گا۔ اس کے بعد سری نگر کا آپریشن کرنا زیادہ اچھے نتائج دے گا۔“
”آج تمہارے پینے کا کافی سامان ہاتھ لگا ہے؟“ کامران نے بتایا۔

”میرا خیال ہے اسے تقسیم کر دینا چاہیے۔“
”ہاں۔ اگلا پروگرام تو کم کا وہ ہے ناں؟“ اس نے اسے ہونے ان سے پوچھا۔

”ہاں یار ہے؟“ سب نے اقرار میں سر ہلائے۔
”طبیعتاً تم کھانے کا سامان لے کر میرے ساتھ چلو۔“
”تو کب میرے آنے کا انتظار کرنا؟“ وہ کبیر کو ساتھ لے کر ابھر نکلا۔
”وقت اسے علی یاد آیا۔“
”تم ایک منٹ روک شیر میں علی کو لے آؤں؟“
وہ اپنے گھر والی سڑک پر پھوٹا۔

اور پھر جیسے ساری دنیا اس کی آنکھوں میں کھٹ آئی تھی۔ وہ کھانے کا تنقید اس کی طرف بڑھانے ایک لب اسے عقوراً بڑھاتا۔
”کب۔ کون ہیں آپ؟“ وہ علی کی بھی آواز نے اسے چونکا دیا۔

”یہ علی کا گھر ہے ناں؟“ اس نے نظریں نیچے کر لیں۔
”ہی۔ مگر آپ؟“ وہ ابھی تک ابھی ہوئی تھی۔
”میں؟“ وہ وحیب سے ہنسنا۔ علی آپ کا بھائی ہے ناں میں اسے پہچانے آیا ہوں۔“

”شیر علی کر لادو؟“ اس نے پوچھے سے آواز دی۔
”پھر چلو۔ میں کھانا کھا آیا ہوں۔ یہ بہت اچھے ہیں بھائی۔ بھائی میری بھینچو کھیں بھوک لگی ہے آج نہیں بھی دوٹال؟“ علی نے گورنے لگتے ہی اپنی کاروائی شروع کر دی۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں؟“ اس نے تنقید اس کی طرف بڑھایا۔
”گرتے ہاتھوں سے اس نے تنقید لکڑا اور ہوسے سے شکر یہ کہہ کر اندر جانے کو مڑی۔
”شیریں! اس نے پکارا۔“

”جی! ہرلی جیسی آنکھوں میں وحشت سمیٹے اس نے پیچھے مڑا کر دیکھا۔
”آپ کے بھائی کہاں ہیں؟“ میرا مطلب ہے علی کے والد۔ یا کوئی اور؟“
”پتا نہیں کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس سے بات کرے۔ حالانکہ اس کے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔“
”میرا بھائی وقت کی آن پر قربان ہو گیا اور میری بھائی نے مجھے یہی غلط فہمی پیش کر دیا۔ اس کی آواز حلق میں کھٹ گئی۔

”اماں اور باپ ہیں، اماں بھی آج صبح سے علی کی تلاش میں نکلی ہیں ابھی تک نہیں آئیں۔ اور باپ تو رشتہ چادر رز سے لاپتہ ہیں۔“
اس کی آواز میں ہلکا سا خوف سمٹ آیا تھا۔
”اگر آپ کہیں تو جب تک اماں نہیں آجائیں ہم بیٹھ جائیں۔“
”یہ اسے بے حد حیرت سے عضد شاہ کو دیکھا۔

”یہ اسے کیا ہو گیا ہے؟“ اس نے سوچا۔
”نہیں۔ اماں آجائیں گی ابھی۔“ وہ اندر بڑھ گئی۔
”دروازہ اندر سے بند کر لیں۔“ چلتے چلتے اس نے کہا اور پھر اپنے راستے پر ہولیا۔
”یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟“ عقوراً وہ اندر گھر گئے پوچھ ہی لیا۔

”آں۔ ہاں۔ مجھے کیا ہونا ہے بھلا؟“ وہ ہنسا۔
”یار ابھی نہیں تو مجھے تم پر بے حد حیرت ہوئی ہے۔“
”شیر نے سنئے سنئے سرگوشی کی تو اس کے ہون پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”جلوس نکلتے ہی رنگے کی نذر ہو گیا؟“ کامران نے اطلاع پہنچائی۔
”جانتا مسجد تک پہنچتے پہنچتے پتھر اتنا شدید ہو گیا تھا کہ جلوس منتشر ہوئے ہی جی۔“
”اوہ! عضد شاہ نے شیلے ہونے ہوئے مکتوبے۔“
”لیکن پھر بھی ہم نے ان کے چھ گدرے مار گرائے۔“
”دیں بارہ توڑ تھی بھی ہو گئے ہوں گے۔“

”لڈ؟“ اس کے چہرے پر عقوراً اساتری کا سا اثر ہوا۔
”اور بارہ مولہ؟“ کیا رہا؟“ وہ سون کے قریب کھڑا۔
”جس وقت ہم وہاں پہنچے ہیں قیدیوں کو کہیں اور منتقل کرنے کے لیے ٹرکوں میں لا دیا جا رہا تھا اور یوں ہماری مشکل آسان ہو گئی۔“

”جمال نے رک کر ایک نظر سب پر ڈالی۔
”اب سب قیدی رہا ہو چکے ہیں؟“ اس نے بات مکمل کی۔
”ویری گڈ! عضد شاہ نے اسے سراہا۔
”کوئی بھی خبر؟“ اس نے پیچھے ہٹ کر سب کو دیکھتے

کا اشارہ کیا۔
 "گفتوا کہ کدو راستے سے سر پر لٹک کر مزید اسلحہ پہنچ رہا ہے۔" شہید نے اطلاع پہنچائی۔
 "زبردست! عقد شاہ ماوے پر جوش کے اندر کھڑا ہوا۔"

"اور میرا اسکو ہمارے ہاتھ میں پونا چاہیے۔"
 ایک عزم منعم تھا جو اس کے چہرے سے جھلک رہا تھا۔ اور کچھ کھڑکی دیر بعد وہ سب سے جھٹکے لک کے آپریشن کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔

"اس دفعہ ۱۳ اگست" استہانی دھوم دھام سے منایا جانے لگا۔ اس نے تیز تیز ہاتھ چلاتے ہوئے انہیں بتایا۔
 "بل آپ میرا جی چاہتا ہے کہ میں تمام راستوں کو پاکستانی جھنڈیوں سے سجا دوں" ہانوتے آٹھیں۔
 "پتھتے ہوئے کہا۔"

"ہاں ہاں! انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا" اس نے مسکرا کر کہا۔ یہ بیڑا اور لڑنے والے ایک ہر دو لڑنے والے ہیں۔
 اس نے سر اور سر لڑنے والے ایک ہر دو لڑنے والے کے قریب لارکھا۔

"یہ تو کوئی کام نہیں" شہر بانو نے انہیں قبضے میں لیتے ہوئے کہا۔
 "خبر یا تو چھپ چکی تو بھلے کسی بھی مرد کا گمان ہونے لگا ہے۔" مٹی نے ہنس کر اسے چھیڑا۔

"آج کی ہر عورت مرد دین کر ہی جی سکتی ہے مٹی باگی۔ اب وہ دور نہیں رہا کہ ہم چوڑیوں کی جھنگل میں گم ہو کر کھلی جھری انکھوں میں پھنسے کھلے کٹے والے اچھے دنوں کا انتظار کریں، بلکہ ہمیں خود اپنے ہاتھوں سے ان اچھے دنوں کو اپنی طرف کھینچنا ہے۔
 "ہے ان خالوں سے درد تھیک میں آج کل جو مل رہا ہے، وہ تو ہم سب بخوبی جانتے ہیں۔"

"ہاں شہر بانو! کبھی ہے تو اس نے اس نے کئی لٹی والا برتن ایک سا بیڈ پر رکھا، اپنے وقار کو کمال رکھنے کے لیے ہمارا ہر لنگھنا گزیر ہو گیا ہے۔ اور ہر جہت کر دینا کہ صرف چھ لڑائیوں کی کھٹک ہی نہیں، ہم تو لڑائی

کی کھٹک ہی اتنی ہی عزیز و محبت کی۔ آج کھلی کھڑی کا ایک مشترکہ خواب ہے، آزادی کا خواب ہر ایک کا۔ اور اس کے لیے ہم جو کچھ کر رہے ہیں، وہ سب حقائق ہے۔ اور ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ جب ہم لڑائی لڑیں گے، وہ روز ہونے لگتی ہے تو وہی کھنڈہ میں بن جایا کرتی ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں، دور نہیں شدت جذبات سے اس کی آنکھیں کھٹک اٹھتی ہیں۔ اسی دم دروازہ کھلا اور کوئی بیڑا حوالہ تر لگا۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ پر لڑ رہے تھے۔
 "میں ہوں! کشمیری کی دست دراز ہو گئی۔"
 "آؤ کشمیری! مٹی نے اسے بلایا۔"
 "میں جلدی میں ہوں مٹی۔ تم جس سے مل رہے ہو؟"

اس نے اپنے پیچھے پھٹکی، چاند میں اپنی اس صورت کو دیکھ کر کہا۔
 "کون ہے یہ؟" وہ لپک کر اس کے قریب آیا۔
 "مارچ کی دم دم روشنی میں اس کے خدو خال واضح نہیں نظر آ رہے تھے۔"

"میں نہیں جانتی۔ یہ کون ہے لیکن اتنا زور دے جاتی ہوں کہ اس کا کھر مڑی قوم" کے ہاتھوں لٹ گیا ہے میں انہیں تو جہیں بچا سکی۔ لیکن اسے مزید بچا نہیں اب یہ تمہاری پناہ میں ہے۔ اس کا باہر کرنی چھوڑنا۔
 "تم فکر کرو" مٹی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کے بدن میں اپنی ہلکی دھڑکنی۔
 "اچھا میں چلوں۔" اتر پناہی کو خبر ہوئی کہ اسے میں نے اڑی ہوں تو میرا کھنڈہ سرور دین جلے گا۔ وہ بیڑا حوالہ تر چھوڑنے لگی۔

"اور ہاں" وہ لڑکی "عقد ہالو کو خیر نہ ہونے دینا کہ اسے میں لاتی ہوں۔ ورنہ وہ اس کو بھی ششک سمجھ کر نکال باہر کر دیں گے۔ اور یہ میرا خیال ہے تم بھی نہیں چاہو گی؟"

وہ اپنی بات پوری کر کے باقی کی بیڑا حوالہ تر چھوڑنے لگی۔ اسے کشمیری کی بات سے مکمل اتفاق تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" وہ اسے بے کوٹے میں آگئی جہاں مارچ کی روشنی قدرے زیادہ تھی۔ وہ ساتھ ساتھ اس کا جائزہ بھی لے رہی تھی۔

تم مر رہے لگتا تھا وہ ابھی تک خوفزدہ ہے۔ اپنے آپ کو خوفزدہ سمجھ کر مر رہا ہے۔ ہمدردی کے ساتھ اس کا خوف کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
 "ہاں! اس کے ہونٹ تھر تھارے۔
 "خبر بانو جھانک کر دوسرے کوٹے میں کھڑی تھی۔
 "کڑی میں اپنی ڈال کر بے آبی اس نے فٹ پڑھا اور تیز تیز سانس لینے لگی۔ جیسے بہت دور سے جانی ہوئی آ رہی ہو۔"

"انہوں نے" اس کے ب کا پنے "میرے سامنے۔ سال کو اس کی بچگی بندھ گئی۔
 "وہ میرے" وہ اسے ساتھ لاکر چھٹکے لگی۔ یہ جو آزادی ہے نال مریم۔ اپنی آسانی سے نہیں مل جاتی۔ وہاں مانگ مانگ کر ہمارے ہر فٹ سے لپکھنے لگا ہے۔ اور آٹھ کا ہر آنسو ہلکوں پر ہی بند کرنا ہے۔ میں۔ پناہوں کی طرح ٹوٹ جاتا ہے میں اس طرح کہ پھر وہ ہمارے آپن کو چھوٹک نہ سکیں۔ بالکل بچے نہیں۔"

وہ بس نکال کر اپنی منزل کی طرف ہولے ہولے رواں تھی۔

"یاراں تو اب آگیا ہوں مکھوان تمہاری رام نے ساتھ مجھے شکر سے کہا۔
 "تیرے آگیا نے یا نہ آگیا نے سے کیا فرق پڑتا ہے؟" اس نے ایک نعرہ وار دھمکا اس کی پشت پر جہاں ہری رام نے اسے گھور کر دیکھا۔

"دیکھ ناں کتنے سالوں سے ہم ایک ہی مقدمہ کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ میں یہ دلی پھیل گئی ہے اور یہ سے وہ دہشت کو خیر خیر مارتے ہیں اور جو کچھ ہاتھ لگتا ہے لے اڑتے ہیں۔ یہ اس کی جھڑپ کو خیر کوٹنے کی طاقت بھی دے گا۔ نہیں ہر طرف سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر اسلحہ کے زور سے ہی قبضہ کرنا چاہیے ہوتا تو ہم۔ ان بچے کشمیریوں سے کب کا کشمیری بن چکے ہوتے؟"

"تو بیک رہا ہے ہری رام! شکر نے ایک مقام لاندہ سکرٹ سے اسے دیکھا۔"

میں سب نہیں رہا تھا تو حقیقت کی نشاندہی کر رہا ہوں کہ آئندہ چند سالوں میں ہمارے تمام کھڑے جائیں گے۔ اور تب تو ہمارا ملک ہمیں قبول کرے گا اور شہری ہو جائے گا۔ پھر ہمارا مستقبل کیا ہو گا؟
 "مستقبل تو ابھی مجھے وہاں اپنے کرتا میں جلنے کا خیال تھا تو سامنے وہاں رکھ۔" انکھوں سے مٹی تیزی سے کھل رہی تھی۔
 "ہاں اور ہری رام نے اپنی نظریں باہر سڑک پر جمادیں۔"

ایک۔ دو تین۔ چار۔ ایک دھماکے سے چاروں بچے جلاٹ ہو گئے۔ رکتے رکتے ہر سال ہر کڑی کے باہر دیکھا۔ اب کے کچھ دیر پہلے ہمدردی کا نشہ سارا اڑ چکا تھا۔

"آرام سے نیچے آؤ، کوئی غم آ یا۔ وہ دونوں تھر تھر کا پیٹے ہاتھ انکھوں سے باہر نکل آئے۔
 "پتا نہیں اتنی بزدل تو کس گم سے لے کر مٹی کی ہے؟" نقاب پوش نے انہیں آگے کی طرف دھکیلا۔
 "ان کو ذرا بے دست دیا تو کرو؟ دو نقاب پوش گاڑی کے عقب سے برآمد ہوئے اور انہیں نیچے گرا کر رستیوں سے ہانسنے لگے۔ اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے سوائے نظروں سے چھیننے کی طرف دیکھا۔

"انہیں اٹھا کر گاڑی کے پیچھے جھڑپ میں بند کرو۔ لیکن پہلے ان کے منہ میں کڑا انکھوں نہ بھولنا۔"
 وہ کتا ڈرا خیرنگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ اور گاڑی پر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئی لیکن اب منزل کا رخ تھوڑا سا تبدیل ہو چکا تھا۔ نقاب پوش کا چہرہ اس فتح سے متھرا رہا تھا۔ اور اس کی ہراس کی روٹن انکھوں سے چھٹنے والی روشنی سے رہی تھی۔

"یہ آپریشن ہماری توقع سے زیادہ کامیاب رہا ہے۔" اس نے کوٹے میں لگے اسلحے کے دھڑکی طرف نگاہ دوڑائی۔ بہت دیر پہلے تو ان کو کھٹکے ہاتھوں کے کوٹے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اس کے لیے اپنی ساراؤں کا سحر م بول رہا تھا۔
 "انشاء اللہ۔ انشاء اللہ سب بیک زبان ہو کر سکرٹ سے اسے دیکھا۔"

بوسے۔
 شہر کی کیا پوزیشن ہے؟ ہانس نے جمال کی طرف دیکھا۔
 "تمام دیواروں پر پورٹرز لگ چکے ہیں، عوام بے حد جوش میں آچکے ہیں۔ اور کل ایک بہت بڑا میونسپل چنار باغ پہنچ رہا ہے جہاں آپ خطاب کرنے والے ہیں۔" جمال نے تمام تفصیلات بتا دیں۔
 وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ ٹھیک سے وہ کچھ کچھ اہواہا لیکن وہ بیان رہے۔ سب سے اس کی تصدیق وہ بچے دروازے کی طرف بڑھا۔ اب یہیں کھڑا ہوا۔
 جمال لپٹا چاہے ہو کہ بچے ٹھیک سے کہہ کر اس کی طرف سے کی نظروں میں آچکا ہے۔ تم کل تک بندوبست کرو۔ اور اب دوسری ماحول کے بعد مہینہ کیا ہے؟ وہ یاد آئے پر واپس پلٹ آیا۔
 "ناٹ رچرڈز" کے لیڈر سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ شہر سے کہا: "اُن کا بھی یہ خیال ہے جو اب کا ہے۔ باقی تھیموں کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔ کل کے جلسے میں تقریباً سب ہی تھیمیں شرکت کر رہی ہیں۔"
 "اوکے۔ اس آل رائٹ اب سب اپنے اپنے کام پر نکل جاؤ۔ یاد رکھو ایک گھنٹہ تاخیر بھی ہائی الٹ سکتی ہے۔ خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔ وہ انہیں خدا حافظ کہتا ہوا نکل آیا۔

وہ ایک بے حد پکلیل صبح تھی۔ بلکہ اس وقت شاید ساری تھیمیں پکلیل ہی ہوا کرتی تھیں۔ جب وہ صبح اٹھے یہی ملاحت اور عہد کے ساتھ چلنے کو ان کے ہال پہنچ جاتی تھی۔ پتائی اور عہد کے بابا بے حد جیسے دوست تھے۔ سب کتنا سکون اور شانتی تھی۔ وہ عہد اور ملاحت کو لے کر اس سرسبز وادی میں گھومنے نکل پڑے۔ پتائی اور مانا جی پڑیا۔ پڑیا کرتے رہ جاتے (یہ اس کا مبارک نام تھا۔ اور وہ انہیں نہ بڑائی جھاگ جاتی۔ ملاحت سے اس کی کاوشی چھٹی تھی۔ جبکہ عہد کو وہ منقول میا جت کر دیا کرتی۔
 وہ ٹوکھا چرخ ساعہ اس کے ایک بچے سے

چاروں شانے جت ہو جاتا۔ اور تب وہ اور بھی کچھ دیر بیٹھ رہتیں۔ یا پھر وہ ندی کے کنارے چارے بھانگے۔ وہ اسے کھانگوں میں بھانگتا رہا۔ مگر دنی اور وہ جتنا رہ جاتا۔ گھنٹی میں نہیں جاتی سے باز رہتا تھا۔ وہ بات چیت ہوا اسے دھمکیاں دے جاتا اور وہ بھی کچھ جتنے لگائے جاتی۔ ہاں اس وقت وہ بے حد سوڈ ہو جاتی جب اسے انگلیش پڑھنا ہوتی۔ انگلیش میں وہ بے حد لائق تھا جبکہ وہ بالکل نیرور و پیرس کے بہانے کٹھنوں اس کا منہ مٹانے جاتی اور وہ مٹانے پر کل لاسے بغیر اس کی بے پیر مال برداشت کیے جاتا۔
 "تمہارا پڑھنے میں کیا نہیں لگتا؟" وہ کتاب دے کر دیتا۔
 "نہیں نہیں؟ وہ ویسے گھما کر جواب دیتی۔
 "تو پھر تمہارا کلام کرو مجھے تو پڑھنے دو۔ وہ اپنی کتاب کھول دیتا۔
 "یوں کہو ناں۔ مجھے دکھانا ہے۔ وہ اس کے ہاتھ سے کتاب چھین لیتی۔
 "دیکھ لکھی۔ امتحانات سر پر ہیں۔ وہ اسے بچانے لگا۔ اور اگر تو قیل ہوئی ناں تو تیرے ساتھ ساتھ۔
 "بہن چھوڑ آئیں گے تیرے نانا کے پاس؟
 "وہ اسے ڈراتا۔ وہ جواباً قبضہ مار کر ہنس دیتی۔
 "میرے نانا مجھے رکھنے کو تیار ہی نہیں ہوں گے۔ اس لیے کہ بچپن دفعہ جب میری مائی تھی ناں۔ ان کے سارے طوطے اڑا دیے تھے۔ مرنے والی تھی۔ ان کے تھیموں اور نانا جی کے سارے کپڑے اٹھا کر فقیر کو دے دیے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سردی کے مارے اس کے بچے طوطے رہے ہیں۔ اور پھر تپا ہے۔
 "نانا جان نے اس دن پتائی کو بیجاں بھجوا کر اس شیطان کو آکر لے جاؤ ورنہ یہ مجھے بھی اٹھا کر ہی بڑھ کر دے دے گی۔ اور اب تو وہ مجھے بالکل نہیں دیکھتے کیونکہ اب تو میں زیادہ بڑی ہو گئی ہوں۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے خود کو بڑا اٹھا کر ہر کرنے کی کوشش کرتی۔
 "ہاں؟ وہ ہوسے سے ہنستا۔ یہ پہلے تم چھٹی میں

تھیں اب ساتویں میں ہوا اور اگر میری تھیمیں رہے ناں تمہارے تو آئندہ بھی ساتویں میں ہی رہو گی۔
 "تو تم کون سا وہ کر کے بیٹھے ہو کیا نام ہے اس کا؟ وہ ذہن پر زور دینے لگی۔
 "بی۔ بی۔ ڈی۔ ڈی۔ وہ اس کی شکل آسان کر دیتا۔
 "ہاں ہاں وہی وہ نفٹ بھلا کر نہیں دیتی۔ اور پھر وہی وہ ٹیل ہو گی۔ پتائی اور مانا جی نے اسے اپنی جھوٹے کانہ صرف فیصلہ کر لیا بلکہ تیار ہی کر لیا۔ وہ ہنسنے لگی۔
 "مجھے نہیں جانا۔ مجھے یہیں رہنا ہے۔ پتائی میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب دل لگا کر پڑھوں گی۔ لیکن انہوں نے بے کافوں میں روٹی ٹھوس لی تھی۔
 "جس دن روٹی تھی وہ بے حد فٹے میں ملاحت کی طرف آئی۔
 "کہہ رہے وہ؟" وہ کہنے میں کھٹے ہی چلائی۔
 "وہ تو مجھ ہی کو روٹی ہے بابا کے ساتھ۔ اس نے ملاحت سے کہا تو اسے مزید فٹہ آگیا۔
 "میں اس کا نہیں تمہارا پوچھ رہی ہوں۔ وہ غرائی۔
 "استہانی چلاک بھتم۔ یہاں جاتی ہوں سب کچھ تمہارا کیا حرا ہے تم سے؟ پتائی کو میرے خلاف ورغلا رہا ہے۔ یاد رکھو۔ میں پندری وادی میں واپس آ جاؤ گی لیکن تمہارا کمر باندھ کر دوں گی۔ وہ ہنسنے لگی۔
 "ہو تو اس پر ٹھیک گیا۔
 "وہ اس وقت اسکول سے آیا تھا کہ کاشی کا فون آ گیا۔ وہ اب بھی اتنے ہی فٹے تھا تھا۔
 "پتا ہے میں نے نانا کے سارے کپڑے اڑا دیے تھے۔ اس نے بتایا۔ اور کل کی پالی ہوئے مرنے والے کے فٹے میں لپٹا ہو کر رہی ہے۔ اور ان کے کپڑے اٹھا کر فقیر کو دے دیے ہیں اب وہنا میں کل باپروں آئی کہ آئی۔ پھر تم سے ایسا بدلہ لوں گی کہ یاد رکھو گے۔
 "یاد تم کون سی نسل کی بچی ہو؟ وہ ہنستا۔

"آبا جان تم بھی نہیں ہو۔" وہ غرائی اور فون بند کر دیا۔
 "اوہ خدا یا اتنی عمر میں یہ اتنی چلاک ہے پوری ہکر کیا گئے۔ وہ ملاحت کو ساری رام کائی شتا رہا تھا جو آج ہی سو پورے واپس آئی تھی۔
 "اس دن اسکول سے واپس پر وہ ان کے لان کے سامنے کتنی دیر کھڑا انگلیں بجاتا رہا ساٹھیل کی۔
 "اسے بٹیا اندر اجاؤ۔" وہ پوچھا۔ بالکونی سے بھانگا۔
 "وہ نکشی آگئی چاچا؟" اس نے پوچھا۔
 "نہیں بٹیا اوہ اب نہیں آئے گی۔ آج ہی میری بات ہوئی ہے اس کے نانا سے۔ تیار ہے تھے کلاس نے وہی پہلے والا حرا۔ آزمایا ہے وہی آئے کچھ کچھ وہ اسے قطف واپس چھوڑ کے نہیں جاتیں گے۔ جب تک وہ میری ذکر لے۔ وہ وہی کھڑے اسے تفصیلات سے آگاہ کر رہے تھے۔
 "سزا کچھ زیادہ سخت نہیں ہوگی چاچا؟" اس نے ہنس کر کہا اور ساٹھیل آگے بڑھائی۔
 "پھر بہت سے دن پر لگا کر گزر گئے۔ جس دن اس نے میٹرک فرسٹ پوزیشن سے میٹر کیا اس دن نکشی کا فون آیا۔
 "میں بھی آٹھویں میں ہو گئی ہوں۔ راجی راہ اس نے بے حد خوشی سے اسے اطلاع پہنچائی۔
 "مبارک ہو کتنی یہ راجی راہ کیسے کہا؟"
 "تھیں۔" وہ ہنسی۔ اصل میں ادھر وہ دیکر یہ لفظ میرے من پر چڑھ گیا ہے۔ ویسے کی خوشی ہی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم سے بدلہ میں نے ہر حال میں لینا ہے۔ جب بھی واپس آئی۔ اور وہ بے ساختہ اس کے پیچھے پر ہنس دیا تھا۔
 "ہارے بھائی کو نہیں پتا۔ آپ کی دشمن آری ہے۔" وہی تھیں کہ میٹر ملاحت نے اسے خبر پہنچائی۔
 "کون بھئی؟" وہ جلدی لپٹا تھا اس لیے نہ بھلنے تھیں۔
 "میں نے محوئے میں مصروف رہا۔

عمر کے کتنے خوبصورت پہلو

وہ کچھ دیر سنا نے کے لیے بیٹھ گیا۔ اچانک ہی اسے زور وار دھکا لگا اور جھل نہ سکا، دھڑم سے مٹی میں جا گرا۔ اس نے پانی کے اندر سے سر نکال کر دیکھا۔ وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر دوسری بھرتی جا رہی تھی۔
 نکلتی سی وہ بڑا ہوا۔ اور تیرا ہوا باہر نکل گیا۔
 پتے پانی نے اس کا وجود سن کر دیا تھا۔
 "اب بھی ویسے ہی ہو۔ ایک دستہ سندھ کی گرجا تھے والے؟ اس نے پانی کو لک کر اس کو دیکھا جو خشکیں نکال پھرتے تھے۔
 "میتے کیوں نہیں آتے؟ اس نے پتے سے پوچھا۔
 "کل بھی یہی حشر ہونا تھا۔ اس نے پتے سے پوچھا۔

ابا بابا! اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔
 "میتے نے اس کو دی لگ رہی ہے یہاں اس کا بوجھ بھروسہ ہے۔
 "نہیں تو۔ پتے کوئی لگتی ہے؟ وہ خامسا میرا ہوا لگ رہا تھا۔
 "پلو میں نہیں جانتے پلوؤں نے اس نے سب سے بڑے لکھی سے اس کا بازو تھاما اور لکھی کی طرف دیکھی۔

ایک کلاس تو پاس کر لی ہے تم نے لیکن تم سے ایک کلاس پیچھے چلی گئی ہے؟ اس نے اس کے ہاتھ سے جاسنے کا کپ پکڑا۔
 "ہاں میرا بھی یہی خیال ہے؟ وہ زنی: ویسے تم بدل نہیں گئے؟ اس نے جاننا لینا شروع کیا۔
 "تھوڑے سے موٹے ہو گئے ہو لیکن جان ابھی تک اتنی ہی ہے؟ اس نے انگلی سے اتنی کا اشارہ کیا۔

ہوں، مونی بھی تھوڑی تھوڑی آگ رہی ہیں۔ پلو اسی طرح تھوڑے سے بڑے لگو گئے۔
 اور۔ کون سی کلاس میں ہو؟
 سیکشن ایر میں ہوں۔ کلاس میں نہیں؟ وہ تھوڑا سا انکڑا۔

ابو ہوا کالی بن گئے ہو۔ تب ہی اتر رہے ہو۔

لکھی۔ پرباشی!۔
 "ہیں آؤ اس نے ایک لمبے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر ہنس پڑا۔

اچھا۔ اللہ خیر۔ اس نے کرسی کھسکانی۔
 "اچھا۔ امان۔ بابا۔ خدا حافظ!۔
 "آج میں دیر سے آؤں گا؟ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
 "بھائی! مجھے تو پتہ ہے جاؤ! ملاحت اس کے پیچھے لگی۔ اور اس کے پیچھے وہ بائیک لے اڑنا وہ دم سے پیچھے جا رہی تھی۔

شام چھینے جب وہ تھکا ہارا ہوا تو اس کے ذہن سے بالکل ٹوہ جیگا تھا کہ صبح اسے کیا پڑی تھی۔
 بستر پر پڑتے ہی وہ دنیا و مافیہ سے بے خبر ہو گیا۔
 کوئی آدمی رات کا وقت ہو گا جب اس کی آنکھ کھل جائے گی۔
 مہدی سو جانے کی وجہ سے اکثر تو بھی رات کو اس کی آنکھ کھل جائے گی۔ وہ بستر پر گرویں بدلتے لگا جب نیند نے دوبارہ پکڑ لیا۔
 "کرو دیا تو وہ اٹھ کر رویتے میں آ کھڑا ہوا۔ باہر برسوا سنا تھا۔ تاریکی کا مکمل راج تھا۔ منہ نہ کھڑا تھے۔
 "میں صدف تھے۔ کہیں کہیں سے جھینگروں کی آوازیں آتی تھیں۔ وہ وہاں بستر کی طرف مڑنے لگا۔
 "ہی تھا کہ اس کی نظر دیکھ چا چا کے لان کی طرف اٹھ گئی۔ وہ ڈھٹک گیا۔

یہ کون ہو سکتی ہے اس وقت اس نے دود سے اندازہ کرنا چاہا۔ اسٹریٹ لائٹ کی بے حد مدد روشنی میں کچھ بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر لان کی لائٹ ملا ڈالی۔ سفید مٹی پر سفید پلوں میں ملبوس جانتے وہ کون سی تھی۔
 "جوار دگر دوسے مٹکن بے خبر تھی۔ اس نے ارادہ کیا کہ نیچے جا کر اسے دیکھے لیکن ابھی وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ وہ بھی پیچھے ہٹ آیا کیونکہ نیند دوبارہ غلبہ دکھا رہی تھی۔

صبح حسبِ عادت وہ جو گنگ کرتا بھانڈی کی طرف جا نکلا۔ ندی کے صاف شفاف پانی میں سفید بھینس تیس تیس کرتی ادھر سے ادھر تیرتی پھر رہی تھیں۔

New
Samsol
 HAIR COLOUR
 with
 LANOLIN CREAM
 45 BACK

- 28 LIGHT BROWN
- 41 MEDIUM BROWN
- 42 DARK BROWN
- 71 MAHOGANY
- 77 AUBURN

چھ مختلف رنگوں میں

بے کار ہے۔ اس کے ذہن میں پہلی باغیانہ سوچ جو
 علم کے بارے میں پیدا ہوئی تھی اسی نے اسے
 قتل کرنے پر گام کیا تھا، وہ غم جو بھی اسے خوش
 لگا کرتا تھا۔ اس کے خیال میں جب ہمارے وطن
 کا جو جہانہ میرے میں ڈوب رہا ہے تو ہم براہ
 فیہر کیا کریں گے، کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم پہلے
 وطن کا ماتھا روشن کریں تب ہم خود ہی اس شاندار
 جگہ مستقبل کے حقدار ہو جائیں گے۔ اسی دنیا کی
 نئے عقیدہ شاہ نے جہم لیا تھا۔ جو صرف اور صرف
 مسلمانوں سے جنت کرتا تھا۔ آزادی سے اور اپنے
 وطن سے۔ باقی سب بچ ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ اس کی
 پہلی جنت بھی۔ وہ جو بھی سوچتا تھا کہ جنت اور مذہب
 دو الگ چیزیں ہیں۔ اور مذہب کی دیوار ان کی
 جنت کا راستہ نہیں روک سکتی۔ لیکن آج، وطن اور
 مذہب کی جنت ہی نے اسے اپنی جنت کے آگے
 دیوار اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی تصور
 کی دیوار پر چند گنے دوڑ بٹائی آج بھی ایسی ہیں لیکن
 اس نے بے دردی سے تصور کو جھٹک دیا۔

بہت دنوں بعد وہ گھر لوٹا تھا۔ وہ بھی صرف
 چند لمحوں کے لیے۔ تیس پر ملاحت اور کئی دو دنوں
 کھڑی تھیں۔
 "عقدہ! کاشی کی نظر ہی پہلے اس پر پڑی۔ وہ
 بے ساختگی میں اسے دیکھا۔
 ملاحت نے چونک کر اس کی نظروں کے
 تعاقب میں دیکھا اور پھر چمکائی ہوئی آنکھوں کی طرف
 بھاگ لی۔
 "بھیا۔ آپ؟ وہ صرف یہی کہہ سکی۔
 "کیسی ہوشیار جان؟" اس نے شانوں سے غلام
 کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔
 "ٹھیک ہوں! اور آپ؟" اس نے ڈنڈ بانی
 آنکھوں سے عقدہ شاہ کی طرف دیکھا جو بے حد
 کمزور ہو رہا تھا۔
 "میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔ اماں! بابا! کدھر
 ہیں؟" وہ اسے لیے آگے بڑھتا ہوا بولا۔
 "وہ۔ آپ بیٹھیں۔ میں ابھی آئی وہ اسے کمرے

میں چھوڑ کر باہر چلی گئی۔
 "کیسی ہی فطرتی؟" اس نے چونک کر دوائے
 کی بہت دیکھا۔ کاشی آنکھوں میں بے پناہ روشنی
 لیے اسے تک رہی تھی۔ وہ غم پر گرا گیا۔
 "کاشی تمہارا پیڑو۔ میں دواؤں بند کر آئی۔
 وہ بڑے بے حقائق دوبارہ دواؤں کا پتہ لگا کر
 "ہم تو آج ہی ادھر آئے ہیں! کاشی نے بات
 چھڑنے کی غرض سے کہا۔ یورو تو مٹی آئی گئی ہمارے
 ہال ہے۔
 "کیوں۔ اماں۔ بابا کہاں ہیں؟" انہوں نے دوسرے
 اس کے لیے مہیا کیے۔
 "وہ۔ وہ لکلاں۔ ان۔ انہیں۔ پچھلے دنوں یہاں
 پر بھی نورج نے وہی کھیل کھیلا۔ جو وہ دوسری بار
 پر مسلمانوں کے ساتھ کھیل رہی ہے۔ وہ سر جھکاتے
 تیار رہی تھی۔ ایک دہرہ نہیں۔ اس کے لبوں پر دم
 توڑ گئی۔ اس کی یہاں پہنچ گئیں۔
 "مٹی۔ مٹی۔ بڑھ چکی۔
 "میں نہیں پر ہوں بھائی۔ وہ آگے بڑھ آئی۔
 "سب۔ وہ اسے سینے سے لگائے بے آواز
 روئے گیا۔
 "میں اس دن کاشی کے ہال تھی۔ جب انہوں نے
 مل کر۔ اور ایک ایک مسلمان کو اس کی آواز میں
 چھس گئی۔
 "چلو میرے ساتھ؟" وہ اس کو بازو سے تھامے
 باہر کی طرف بڑھا۔
 "کہاں؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف
 دیکھا۔
 "ابھی اسے نہیں رہنے دیا۔ بالآخر وہ بول
 اٹھی۔
 "شکر ہے۔ بہت بہت کاشی میم؟" وہ ہر خند ہوا۔
 "آپ کی قوم کے پہلے کیا بہت احسان ہیں؟" پر مزید
 احسان کا بوجھ ہم نہیں اٹھا سکتے۔
 "دیکھو عقدہ پلیر۔ باہر حالات بہت غراب ہیں میں
 اس کی حفاظت کا وعدہ کرتی ہوں۔ اسے یہاں کوئی
 تکلیف نہیں ہونی۔
 وہ بھاگتے بھاگتے کہہ رہی تھی۔ لیکن وہ جی ان ہی

کے ساتھ رہا اور وہ بے کسی سے ہونٹ کا قلمی برآمد سے
 کی سیر چھوڑا کر آگئی۔
 پھر کتنے جنوں کے بعد وہ انہیں دھونڈتے میں
 کا سبب ہوئی تھی۔ اس کٹم ہی سبب سے ٹوٹے چھوٹے
 مکان۔ تین۔ جتنی تو اسے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی تھی
 تھی۔ "تم! یہاں! کاشی؟" اس نے کاشی کے ہاتھ تھام
 کے بے یقینی سے دیکھا۔
 "ہاں۔ مٹی۔ دیکھ لو میں نے تیس ڈھونڈ نکالا۔
 بے حد خوش تھی انہیں دوبارہ پا کر۔
 "عقدہ کہاں ہیں؟" اس نے پوچھا۔
 "بھیا تو اب بھی بھاگ ہی آئے ہیں۔ معروف
 ہیں ناں۔ میں یہاں بابا کے ساتھ ہوئی ہوں۔ اس
 پاس کی اور لوگوں کی بھی آجاتی ہیں۔ آج کل ہم
 نہیں اور جیسا مل کر عورتوں کو بھی تربیت دے
 رہے ہیں۔ اور تم دیکھنا کاشی ہماری طاقت اور ایمان
 ان سب کو سہجھانے پر مجبور کر دے گا؟
 "اس نے دیکھا مٹی کے چہرے پر عزم استقلال
 کی جھلک۔ بہت نمایاں ہو رہی تھی۔
 "ایک بات کہوں مٹی؟" اس نے دھیرے سے
 کہا تو مٹی نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔
 "تم مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کر لو۔ میں بھی لڑوں
 گی۔ دشمنوں کے خلاف۔
 "کیا؟" مٹی نے بے حد حیرت سے کہا۔ تو میرا
 مطلب ہے وہ تمہارے ہم مذہب ہیں۔
 "مٹی سے؟" وہ انہی۔ "بھیا مٹی! امیر! اعلیٰ کرد
 اس نے خود ہی کیا اور دوائی میں خدا کہہ گئی۔
 اس بات کا وہ ہے کہ وہ میرے ہم مذہب ہیں۔
 لیکن اس میں میرا تو کوئی دوش نہیں، میں نہ تو
 ہوں مٹی۔ اور میرے ہی تو اسی ولوی میں رہتی ہوں۔
 یہ ولوی مجھے بھی اتنی ہی عزیز ہے جتنا کہ نہیں اس
 سے پیار ہے۔" اور مٹی صرف اس کی طرف دیکھ کر
 رہ گئی تھی۔
 عقدہ نے شہتا تو جھڑک اٹھا۔
 "مگر نہ نہیں۔ پچھلے کتنی دوستی ہو۔ ہمیں اور ان
 میں لیکن فطرت بھی نہیں بدلتی۔ وہ تو سناپ ہیں

سناپ موقع پاتے ہی ڈس لینے والے کوئی ضرورت
 نہیں اسے کسی بھی پروگرام میں ملانے کی۔
 وہ سختی سے کہتا باہر نکل گیا تھا۔ اور چھوٹے
 ہونٹے بھی وہ کچھ کو بہال آئے سے روک نہیں
 سکتی تھی۔

چودہ اگست کا دن آن رہا تھا۔ بجا ہر دن کشمیر
 مکمل تیار لوگوں کے ساتھ چودہ اگست منانے کو تیار
 تھے۔ جس وقت مؤذن نے اذان پڑ دی۔ جمہور کا ہر
 نے مسجدوں کا رخ کیا اور نماز فجر کی ادائیگی کے بعد
 جب وہ مسجد سے نکلے تو ہر مسلمان کے ہاتھ میں
 پاکستان کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ جامع مسجد سے لے کر
 امر سنگھ کالج تک، دریائے جی سے لے کر اولڈ
 سیکرٹریٹ، ویسٹرس سے نو بڑ تک، کوئی جگہ بھی
 ایسی نہیں تھی جہاں پر پاکستان کا جھنڈا لہرا رہا ہو۔
 تمام مسلمان چونک کر دوس سے گھرے لگاتے اس
 بار سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ جامع مسجد سے نکلنے
 والا جلوس، امر سنگھ کالج سے حقوڑے کی فاصلے پر
 تھا کہ ان پر آنسو گیس چھینکی جانے لگی۔ چھتوں پر
 سے پھر اڑ شروع ہو گیا۔ لوگ ایک دوسرے کے
 اوپر گرتے گرتے بھاگتے تھے۔ یہ سورتھی عقدہ
 کے لیے بے حد توشیح کا باعث تھی۔ اس نے اللہ
 کا حیرت کے حسن یافتگی طرف دیکھا وہ اسے تسلی
 دینا ایک دیوار پر پڑ گیا۔
 "میری بات سنو!" وہ چلایا۔ "ان سب کا مقصد
 یہی ہوتا ہے کہ تمہارے ہم مذہب ہیں۔
 "مٹی سے؟" وہ انہی۔ "بھیا مٹی! امیر! اعلیٰ کرد
 اس نے خود ہی کیا اور دوائی میں خدا کہہ گئی۔
 اس بات کا وہ ہے کہ وہ میرے ہم مذہب ہیں۔
 لیکن اس میں میرا تو کوئی دوش نہیں، میں نہ تو
 ہوں مٹی۔ اور میرے ہی تو اسی ولوی میں رہتی ہوں۔
 یہ ولوی مجھے بھی اتنی ہی عزیز ہے جتنا کہ نہیں اس
 سے پیار ہے۔" اور مٹی صرف اس کی طرف دیکھ کر
 رہ گئی تھی۔
 عقدہ نے شہتا تو جھڑک اٹھا۔
 "مگر نہ نہیں۔ پچھلے کتنی دوستی ہو۔ ہمیں اور ان
 میں لیکن فطرت بھی نہیں بدلتی۔ وہ تو سناپ ہیں

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیرا مل

قیمت 50/- روپے

53 اور گزب رایت ایم۔ جناح روڈ کراچی

آزادی ہم ان سے ڈر کر بھاگ گئے تو تمام عرصہ گزرتا رہا۔ میری بات سنو۔
 وہ چلتا رہا لیکن لوگ خوفزدہ ہو چکے تھے۔
 اس نے بے بسی سے عقدہ شاہ کی طرف دیکھا اور
 دیوار سے نیچے اتر آیا۔
 "ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔ نہیں ہونا چاہیے تھا۔"
 اس نے مٹھال مٹھالی۔
 "لوگ خوفزدہ ہو گئے تھے۔ بشیر نے بولے
 سے کہا۔
 "کیوں؟" وہ ہلکے سے چوکیا۔ وہ کہہ رہے ہیں
 خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں اور ہم جو جانی نہیں ملکتی۔
 یہی تو ہمیں نہیں کرنا۔ ہمیں ثبات قدم رہنا ہے۔
 ہر حال میں ورنہ ہم کچھ نہیں کریں گے۔
 وہ افسرانہ کیفیت میں شل ہل کر جیسے خود سے
 بول رہا تھا۔
 "ہمیں آزادی کے لیے بہت بڑی قیمت پر کمانی
 پڑ رہی ہے۔ بہت بڑی۔"
 "شاہ جی گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ اسٹیٹ نے تھپ
 کر دیا دیکھا۔
 "کیا؟"
 "ہاں۔ آج صبح سیٹی اوپن اسٹیٹ پر دھماکا خیز
 مواد کے ساتھ ریڈ منڈ ڈیڑھ گئے ہیں۔ وہ لے آپ
 فکر نہ کریں۔ ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔"
 "بشیر بھائی؟" اس نے آنکھوں میں آنے
 آسواں درجی اندر لے لیے۔ "میری دھڑکی پراپے
 سو بھائی قربان۔ لیکن ابھی نہیں زندہ رہنا ہے بہت
 دیر تک، چڑاٹھ منٹ تک۔ آپ! نہیں رہا کروا سکی
 کوشش کیجیے۔ ورنہ وہ لوگ بے حد غم کریں گے
 بھائی۔ یہ کہیں ایسا نہ ہوگا۔
 "کچھ نہیں ہوگا بھئی۔ تیرا ایک بھائی تھکے سے
 وعدہ کر رہا ہے، شاہ جی کو زندہ سلامت لانا میرا
 فرض ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ وہ اسے تسکین دیتا چلا
 گیا۔
 "مٹی باجی! اب کیا ہو گا؟ ہانوا اس کے قریب

آجی۔
 "تم کیوں پریشان ہوئی ہو گیلی؟" اس نے پوچھا۔
 اسے ساتھ لگا لیا۔ اسے جن بھائیوں کے لیے
 اتنی نہیں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگیں۔ نہیں کیوں نہیں
 ہوا کرتا۔ ہمارے بھائی کو بھی کچھ نہیں ہو گا۔
 تم اپنا کام جاری رکھو۔ اس میں وقفہ نہیں آنا چاہیے۔
 وہ بات بدل کر دوسری طرف مٹھالی اور یہ
 تمام رات وہ جگہ سے نہیں گر کر اپنے بھائی اور وطن
 کا آزادی کا دعائیں مانجی رہی۔
 "آہ! اس نے کراہ کر کرکٹ پر ہٹ کر کوشش
 کی لیکن بدن سے اٹھنے والی تھیں اسے۔
 میں اٹھا رہے ہوں رگڑ گئی۔ اس نے آنکھیں
 کراہتے کراہتے لٹا دیا۔ لیکن اندر سے میں اسے
 کچھ سمجھا رہی تھی۔
 "آہ! میرے سوا۔" اس نے تکلیف کی خدمت
 سے مٹھلی لیے۔ "آجی دم دروازہ کھٹنے کی آواز آئی۔
 پھر روشنی کا ایک نقطہ سامنے دھڑکنا۔
 "پوش آگیا یا نہیں؟" ایک آواز آئی۔
 "آیا یا نہیں، باہر پہنچ لاؤ۔"
 دوسری جگہ بھی آواز ابھری۔ اس کے ساتھ
 ہلکی سی دھڑکی۔ اس کے غم کو راسد کی
 اس کے منہ سے پتہ چلنے لگے۔ وہ گئی۔ اور جبر نہایت
 ظالمانہ طریقے سے اسے پہنچ کر باہر لایا جانے لگا۔
 صبح میں بے درد دہی سے اس پر تشدد کیا گیا تھا اس
 کے بعد یہ تکلیف ناقابل برداشت معلوم ہو رہی تھی۔
 ستاری میں کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ اسے کہاں سے
 کہاں لے جایا جا رہا ہے۔
 "گورنی میں ڈال دو" کافی دیر بعد وہی جگہ بھی
 آواز ابھری۔ اور اس نے اسے ہاڑیوں میں بٹھ کر کافی
 کی کچلی پیٹ پیر پیر دیا۔ زخموں میں ایک بار پھر
 اٹھی امداد کے اس نے کراہتے میں تامل نہیں کیا۔
 "ٹھیک ہے جانی۔ اور ہاں دھیان رکھنا کہیں۔"
 اس نے بات بدھوری چھوڑ دی۔
 "میں کچھ گی سر سمجھ گیا۔ وہ سیوٹ مڈاٹا واپس

شہلی۔
 "کافی سے زیادہ زخمی نظر آ رہے ہیں۔ اس کے
 ہڈی کا دروازہ کھول کر اندر بھاگنا۔
 آپ کی غنائیت سے اس نے طنز یہ کہہ کر منہ
 دوسری طرف کر لیا۔
 "اچھا یہ لو دو دو دو۔ اس نے قہر میں کہا
 دودھ کلاس میں انڈیل کر اس کی طرف بڑھایا۔
 تاکہ میں سے پوش ہو جاؤں اور تم مجھے کسی اور جگہ
 پر با آسانی منتقل کر سکو۔ وہ نہر خند سے بولا۔
 "جو بھی کچھ لوٹو وہ نقاب پوش زور سے ہنسا۔ لیکن
 اس وقت اس دودھ میں کچھ نہیں ملا یا گیا سوائے
 اور مٹھنے کے۔
 "اور مجھے یہ نہیں پتا۔ یہ جو حرام ہے۔ اور حلال
 ہے۔ دونوں کے درمیان ہمدے رب نے ایک
 پور کر رکھی ہے۔ اگر یہ یہ ہم سے کیا چھینا گیا ہے۔
 لیکن تمہارے ہاتھوں میں اسے ہی یہ حرام ہو گیا ہے۔
 اور وہیں بھی حرام کو مت نہیں لگایا کرتے۔ جولوہ ان
 کی زندگی ختم ہو رہی ہو اس نے قطعیت سے کہا۔
 "تمہاری عمر اس نے بڑھایا ہو انا تھا وہیں
 کھینچ لیا اور دروازے تک سیٹ پر جا بیٹھا۔
 "ایک بات بتاؤ عقدہ شاہ! آج زبردست بلاؤنگ
 کے باوجود تم ارباب کیسے ہو گئے؟ اس نے گردن
 کو تھوڑا سا مٹھ دے کر نیچے دیکھا۔
 "بہت قسمت میں لکھا تھا۔ کسی مہربان نے کچھ کر
 دی تھو وہ ہنسا۔
 "مہربان پولیس کی پھرتی بھی قابل دلو ہے۔"
 "میں نہیں مانتا تمہاری پولیس کو دوسری مقامیوں
 سے یہ قسمت نہیں، وہ مجھے اور دوسرے آزادی
 کے سٹروں پر ہاتھ لگا رہے ہیں۔ اس نے بھرپور
 طنز سے کہا۔
 "وہیری گڈ۔ سچ بولنے کا جو عمل ہی دیکھتے ہو۔
 چلو اس خوشی میں میں نہیں تھوڑی دیر بعد انعام دیوں
 گا۔
 "جانتا ہوں تمہارے پاس انعام کے لیے میرے
 پاس موت ہے اور کچھ بھی نہیں۔ لیکن جان لو۔ ایک

میرے مرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ جب تک اس دوا
 کے ایک ایک حریت پسند کے ہم میں خون کا ایک
 قطرہ اور سانس کا ایک لہر بھی باقی ہے۔ وہ آواز
 کے لیے روتے گا۔ ہمارا ایک ہی دشمن ہے زندگی یا موت
 بات کرتے کرتے وہ ہانپ گیا تھا۔ تیرا کوئی راستہ
 نہیں ہے۔
 "گورنی ایک زوردار چھٹے سے رکی۔ وہ نقاب
 پوش نیچے اتر آ۔ اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔
 "جتنا خیر بھاگ سکتے ہو بھاگ لو۔"
 وہ اس پر نظر کیا جیسے کہہ رہا تھا عقدہ شاہ
 خاموشی سے لٹا رہا۔
 "میں مذاق نہیں کر رہا۔ حقیقتاً کہہ رہا ہوں۔
 اس نے یقین دلانا چاہا۔
 "جانتے ہو ناں میں بھاگ نہیں سکتا۔ اسی لیے
 آفرود سے رہے ہو ورنہ وہ بات اوصوری قہور
 کر چپ ہو گیا۔
 نقاب پوش خاموشی سے ایجنٹ پر جا بیٹھا
 اور گورنی پھر نا معلوم راستے پر دوڑنے لگی۔ کافی دیر
 بعد اس نے پھر گورنی روٹی اور اس کے پاس آیا۔
 "میں معافی چاہتا ہوں کہ تمہیں تکلیف دی۔ لیکن
 وہاں سے لانے کے لیے اس کے علاوہ میرے پاس
 دوسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ اب تم اطمینان سے اپنے
 گھر جا سکتے ہو۔"
 اس نے اسے نیچے اترنے میں مدد دینے ہوئے
 کہا عقدہ شاہ نے بے حد حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔
 "کون ہو تم؟"
 "ہوں تو تمہارا دشمن لیکن اس وقت دوستی کے
 موڈ میں ہوں جیسے بھی میری ضرورت پڑی تم اپنے
 پاس ہاؤس گئے تھو۔ اور ہاں۔ وہ دروازے تک سیٹ
 کی طرف جاتا جانا پٹا۔
 "اچھی طرح ٹھیک ہو کر باہر نکلتا، ورنہ میری قوم
 بہت غلام ہے۔"
 وہ ہاتھ ہلاتا گورنی لے کر ہوا ہو گیا۔ اور وہ
 سوچا ہوا دروازہ بجائے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ
 کھلا اور باہر سے باہر بھاگنا۔

غصہ! مارے غصی کے آن کے منہ سے جھج نکلی گئی۔
 تم ٹھیک تو ہونا بیٹا؟ وہ اسے بھانسنے اندر لے آئے۔
 جی بابا میں بالکل ٹھیک ہوں۔
 ملاحت کہ مجھ سے؟ چار پائی پر بیٹھے ہوئے اس نے پوچھا۔
 خاتم کو خبر آیا تھا، اس کے ساتھ گئی ہیں بانو شہناز بھی۔ وہ اس کے قریب ہی لگ گئے۔
 تم بیٹا کیسے میرا مطلب ہے وہاں سے کیسے نکلتے ورنہ وہاں سے تو وہ چپ ہو کر اس کا گلہ منہ دیکھنے لگے۔
 بتا نہیں بابا کیسے؟ اس نے بلانے کے ساتھ تمام لیے مجھے غم کرنے میں انہوں نے کوئی کسب نہیں چھوڑا تھی بابا۔ ان کے عقوبت خانے دیکھ کر ہی آدمی موت آجاتا ہے۔ باقی رہی سہی کسر وہ پوری کر دیتے ہیں۔ یہ دیکھیں اس نے فانی آواز میں اور کوٹھڑی۔
 اتنی بے رحمی سے وہ لوہے کی گرم سلاخیں جم پڑ دانتے ہیں۔ اور یہ اس نے پھٹی ہوئی شرف اور اٹھائی تمام جم جلتے ہوئے داغوں سے بھرا تھا۔
 بابا کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آئے خدا ان ظالموں کو بھی نہیں بخشے گا، کبھی نہیں بیٹا۔ میں مریم کا بندوبست کرتا ہوں تم کوٹھڑی دیر آرام کرو گے وہ اسے آرام کرنے کا کہہ کر اٹھ گئے۔ اور سوچتے سوچتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

کھانٹے کھانٹے اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔
 کیا بات ہے کبھی طبیعت زیادہ خراب ہے؟ ملاحت نے زمین پر سے توجہ ہٹا کر اس کی طرف دیکھا جو اس قدر شدید کھانسی سے بے حال ہو رہی تھی۔
 نہیں! اس نے جیب بھاری سی آوازیں کہا اور پھر کھانٹے لگی۔
 لگتا ہے تھک رہا ہے حد خراب ہے آواز بھی

کافی بدلی ہوئی لگ رہی ہے؟
 بلکہ کافی مردانہ مردانہ لگ رہی ہے۔
 تم اس کر کیا؟
 ہاں بس نکل رہے تھیں میرا چار سے آئے کہیں سے، میرے مددگار تھا میں کوڑی بادی کھا گئی۔ سوچو سناٹے ہے۔ کھوں کھوں پھر کھائی کا دورہ پڑ گیا۔
 آواز تو تمہاری کافی دنوں سے بھاری بھاری ہو رہی ہے۔ ملاحت نے ٹھوڑا۔
 ہاں تو اس دن بھی کھایا تھا۔ وہ گڑ بڑائی۔
 کوئی گڑ بڑ ہے ضرور وہ چٹوڑ ہو گئی۔
 ابھی طرح بلو کر کہ کھایا تھا۔
 راجہ کا جی اب ٹھیک میں ناں؟ وہ بات مل گئی۔
 ہاں بالکل ٹھیک تو نہیں ہوئے۔ لیکن پہلے سے بہت بہتر ہیں۔
 اچھا میں چلوں۔ وہ اندر کھڑی ہوئی۔
 اور مریم تمہارا دل لگ گیا ناں یہاں پر؟ وہ جاتے جاتے مریم کے پاس لگا۔ اس نے انہماک میں سر ہلایا۔
 بہت کم بولتی ہے۔ بلکہ میرے سے بولتی ہی نہیں ہے۔ میں نے تو آج تک اس کی آواز نہیں سنی۔
 شہر ہاتھ لگے کہا تو وہ دھیرے سے ہنس دی۔
 اچھا جی۔ پھر آؤں گی۔ اگر تمہارے بھائی کو خبر ہوئی تو؟
 وہ سیر حیاں چڑھ گئی۔ اور ملاحت کو بتا نہیں کیوں یہ شک ہو گیا تھا کہ میں گڑ بڑ ضرور ہے۔

میری بیتی۔ وہ اُسے پکارتا ہوا ہے۔
 بیتی باجی نہیں ہیں؟ ایک خوف زدہ آواز ابھی وہ چونکا۔ اُسے لگا جیسے آواز وہ پہلے بھی سنی چکا ہے۔
 کہاں گئی ہیں؟
 وہ یہ چھوڑ گئی ہیں آپ کے لیے۔

وہ اس کا سوال کسر نفازاں کرتے ہوئے اس کی طرف ایک لٹافہ بڑھاتے ہوئے بولی۔
 تم آپ؟ بے حد حیرت سے اس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔
 آپ سال کب سے ہیں؟ وہ یونہی پوچھ بیٹھا۔
 تقریباً ایک سال سے وہی خوف زدہ آواز ابھی۔
 کیا؟ مارے حیرت کے اس کی آنکھیں چیل گئیں۔
 جب آپ ملی کو چھوڑ کر آئے تھے ناں اس سے تھوڑے دن بعد ہی میں یہاں آ گئی تھی۔
 اچھا! وہ سوچتا ہوا سیڑ حیاں چڑھ گیا۔
 کیا ہم اتنا تیز بھاگ رہے ہیں کہ اس ہی نہیں رہا ہیں۔ کتنے سال ہمارے سروں میں خاک اڑاتے گزر رہے ہیں؟
 سترہ سال غصہ اب اٹھائیس سال کا مضبوط دل مردن چکا تھا۔ اپنے تمام جذبات کو بے غمی سے کھینچنے لگتے۔ وہ تقریباً پھر ہو چلا تھا۔ وہ غرجو آنکھوں میں رو پیٹے خواب کی بے کی ہوتی ہے۔ وہ ٹوکولیا قبضہ ناف میں بہت گئی تھی۔ اسے تو پوری طرح خندیلے جی عمر صبر کیا تھا۔ پھر کہاں کے خواب اور کہاں کے عذاب اس کے پاس فرصت نہ تھی ملاحت سے ہی اسے پتا چلا تھا کہ کبھی نے ایسا لے کر کے یہ ایک اٹھارہ سال کا بچہ ہے۔ اور آج کل وہ اپنی ہی قوم کے خلاف کھڑے ہوئے۔
 ایک نیا دھوکا اس نے سر جھٹکتے ہوئے سوجھا تھا۔

آج گیارہ برس ہو گئے ہیں روتے ہوئے آؤں گی جنگ جانیے کب تک جاؤں گی۔ اور کب تک ہم اپنے سروں کا چڑھاؤ دیتے رہیں گے۔ تم نے کبھی سوچا شہر امد؟ کبھی سوچا؟ ہم نے اتنا عمر کے گزر دیا ہے؟ صرف اور صرف کھانے کا احساس کیسا ہوتا ہے؟ اور یوں بھی کوئی کب تک پانے کی چاہ میں گھوتا چلا جائے؟

اس نے اپنی لال انگارا ہوتی آنکھیں ہال میں موجود لوگوں پر دوڑا لیں۔
 کیا انجانا ہے اس جنگ کا۔ بھارت کے پیچھے دو درویش پناہ و زکام کر رہے ہیں۔ ان کا ایک سرنا ہے تو دس آجاتے ہیں۔ خواہ وہ بزدل ہی ہوں، لیکن ان دسیوں کو ختم کرنے میں ہمارا جو نقصان ہوتا ہے، وہ سن کھانے میں جاتا ہے۔ جی سوچا ہے تم نے؟
 وہ کبھی بھی یونہی بے حوصلہ ہو جاتا تھا۔
 بالآخر ہماری فتح ہے۔ جمال نے حسب عادت کہا۔

ہا۔ فتح ایسی فتح جو میں سوائے کھڑ روں اور دیرالوں کے کچھ نہیں دے گی۔ یہ تو کروڑوں کا مدبران جیب میں ایک بھی ڈیٹس نہیں ہو گا۔ ہر طرف جلتے ہوئے گھر اور جڑے کھیت کھیاں ہوں گے۔ جب زمین میں سروں کی فصل اچھی طرح پوری جلتے گی۔ تب یہ فتح ہمارے کس کام کی ہوگی۔ اسے جیب ہم ہی نہیں چوں گے تو فتح کس کی ہوگی؟
 خدا نہ کرے جو ایسا ہو شاد ہو! ایسی سری بات ہی کیوں آپ کے ذہن میں بیٹھ گئی ہے۔ خدا کی ہمارا بستیوں کو دوران نہیں کرے گا۔ ہم حق پر ہیں۔ وہ جانتا ہے۔ پھر ہمیں نیت دنا ہو کر کے کے دعوت کرنے والے جی تو ہمیں نہیں رہیں گے۔ اور یہ ہمارا زندگی ہمارے ملک و قوم کی امانت ہی کو ہے۔ نہ بھی رہی تو کیلے۔ ہمارا آئے والے لیں تو ہوں گناہ۔ کہ از کم جو اذیت ہم نے سہا ہے اس سے تو وہ نہیں گزری گے۔ ہم دیکھ رہے ہیں شاد جی! آپ تصویر کے تاریک رخ پر زیادہ غور رکھنے لگے ہیں۔

کامران نے دزدیدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا جواب دونوں ہاتھوں میں سر تھا سے بیٹھا تھا۔
 وقت کا گزرنہ کٹھنیش ناک بات نہیں لگتا ہمارا حوصلہ کھو دینا آشوبش کا باعث ہے۔ شہید شہناز کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
 اور یاد! تم جو ہیں حوصلہ دیتے ہو۔ اب خود

و محمد جیوڑ رہے ہو۔ یہ تو بڑی بات ہے نالہ گزائی
قریبانیوں کا مجھے ہے اور مجھ کو اس میں پس و پیش سے
کام لیتی ہے وہ ہمیشہ میرے لیے غلام ہو جاتی ہے
ہاں شاید میں غلطی پر ہوں۔ بلکہ جانا بول بھی
کبھی، یہاں نہیں یوں بھی میرے اندر رہے ہاں غلام اور
آتی ہے اور بھی ہے محمد جیوڑ وہ تو محمد شاہ تو کچھ بھی نہیں ہے جیوڑ
وہ اعتراف کر رہا تھا۔

”مریم بھی لڑکی ہے“ ملاحت نے کہا
”کون مریم؟“ اس نے پوچھنے سے پہلے پوچھا
”وہ کی جیسے لک۔ وہی جو آج کل ہمارے ساتھ

رہ رہی ہے۔“
”اچھا وہ کتنی کتنی تھی۔ اس کے تصور میں دو
خوف زدہ ہر نفسیاتی آئینیں ابھری تھیں۔
”پھر؟“ وہ آٹھ بٹھا۔

”پھر یہ کہ۔ بابا کہہ رہے ہیں کہ مریم کا اس طرح
ہمارے گھر رہنا مناسب نہیں۔“
”کس طرح؟“ وہ کچھ کیا تھا کہ ملاحت کی کہنا چاہ رہی
تھی لیکن جہاں بوجھ کر انجان بن گیا۔
”بھئی وہ ابھی تک خود کو کوئی بھئی سمجھتی ہے۔ یہاں تو
اب وہ قدرے سمجھ لائی۔

”یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ بھی نہیں۔ اس وقت ہم بہت
بڑے مسئلے سے دوچار ہیں۔ اور یہ جیوڑے جیوڑے
نئے نئے منانے کا وقت نہیں ہے ہمارے پاس اور وہ
بھی اس طرح کے بڑے مسئلے کے ساتھ کھڑا ہوا۔
”مریم کو بخار آ رہا ہے۔“

”آتے ہوئے کوئی گولی لیتا آؤں گا۔ اگر مل جائے
وہ سر ملانا باہر نکل آیا۔

”یاد رہتی اور بایا کی بات مان لو میرا شہر احمد نے
کہا تو وہ چونکا۔

”کیا گیا مطلب؟“
”مطلب تو بہت واضح ہے۔ جہاں بوجھ کر انجان
بنے رہو تو اور بات ہے۔“

اس وقت وہ اور شہر تہمتا تھے شہر ملاحت
کے کہنے پر اسے منانے کا ذمہ لے لیا تھا سو اس

وقت وہ اس کے پیچھے تھا۔

”دیکھو شہر احمد! وہ گویا ہوا۔ تم خود سوچو کیا ان
حالات میں شادی کرنا مناسب ہے؟“

”کیوں حالات کو کیا ہوا ہے؟“ وہ قہقہہ اس کی
کون بھی دلیل تسلیم کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔
”یہ تم کہہ رہے ہو؟“ وہ حیرت سے اسے دیکھ رہا
ہو۔ ”کیا یہ خبر نہیں جن راستوں پر ہم گزر رہے ہیں
سائوں سے محسوس ہیں وہاں قدم قدم پر بڑے کاغذ
ہے۔ تو ایسے بے اماں سفر کو کیسے دیکھتے کہ وہ
اسے ساتھ خواہ خواہ و دوسروں کو بھی اس جہنم میں
ڈالتے۔“

”حالات تو آئندہ بھی مجھے ایسے نظر آتے ہیں
کیا ان حالات میں کوئی بھی شادی نہیں ہوتی؟ کوئی گھر
آپا نہیں ہوا؟ میں تمہاری منطق ماننے سے انکار ہی
بول رہی ہوں۔“

”تم مجھے کیا کہنا چاہتی ہو؟“
”میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔ میں اسے کہہ سکتی ہوں
صرف اور صرف دکھ۔ اور وہی گئی کہ وہ درکوں
کی چیز ہے میرے پاس میری اپنی جیوڑی اسے فز
کے ساتھ دے سکوں۔ اور جس کو باکر اس کو باکر
ہو۔ تو میری اسے کچھ دینے کے قابل نہیں ہو
مجھے یہ بھی حق نہیں ہے جیوڑی اسے اس خاوند اور
راستے میں گھسیٹیں۔ جیوڑی کوئی منزل نہیں۔“

”تم اور کچھ نہیں تو حیرت تو دے سکتے ہو ناں
اسے۔ ایک تحفظ کا احساس۔ اپنا نام، یہ تو دے سکتے
ہو؟“ اور اسے سب کچھ چاہیے۔ اور کی چیز کی اسے
قتنا بھی نہیں ہوگی۔ عقیدہ۔ سوچو۔ اگر جیوڑی بہت کچھ
ہے تمہارے پاس دینے کو۔ اور یہ بھی؟
بابر دیو آئے پر دستک ہوئی اور شہر کی بات
ادھوری رہ گئی۔

”کون؟“ شہر نے دروازے کے قریب جا کر نہایت
آہستگی سے پوچھا۔

”دروازہ کھولو! ایک اجنبی آ رہا ہے۔“
”کون ہو تم؟“ اس کی آواز میں کتنی کتنی اور ساتھ
بیکارگی پر گزرتی تھی جیوڑی ہو گئی۔

”دیکھو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ ویرت کر دو۔“

اب کے نہایت محبت میں گیا۔ اس نے
سوائے نظروں سے غصہ کی طرف دیکھا جو اب اس نے
سر کے اشارے سے دروازہ کھولنے کی اجازت
دی۔ شہر نے آگے بڑھ کر بیٹھنی گرا دی۔ ایک نقاب پوش
تیزی سے اندر داخل ہوا۔

”عقیدہ شاہ! وہ ایک گرامس کے قریب آیا شہر
نے جہاں نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ میرے نے کر
پروں تک وہ سیاہ لباس میں نہیں تھا۔ مگر یہ
اور تمام چہرہ بھی نقاب کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ آنکھوں
پر سیاہ پتھر چڑھائے وہ عقیدہ شاہ کا ہاتھ تھامے
دھیرے دھیرے اسے کچھ بتا رہا تھا۔

”اوہ نو۔ وہ ایک دم ہونکا۔
”مجھے اسے عقیدہ کے پاس نہیں جانے دینا چاہیے
تھا۔“ وہ ایک دم آگے بڑھا۔ اس نے نقاب پوش
پچھے ہٹا اور دونوں ایک دوسرے سے ٹکرائے۔
”اوہ! اسے ساغر شہر کی نظروں میں اس کے سر پر
میں کچھ نہیں۔“

”شہر! جتنی جلدی ہو سکے۔ بیان سے نکل ملو۔
وہ تیزی سے کچھ گودام کی طرف چلا گیا۔ اس
نے دزدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ہوش نقاب پوش
کی طرف دیکھا اور بے مددگی اسے گودام کی طرف
بڑھ گیا۔

”مٹی۔ مٹی۔ آنکھیں کھولو مٹی۔ دیکھو تمہارا بھائی
جہاں بکر رہا ہے۔ آنکھیں کھولو کہ تو دیکھو مٹی۔ مٹی
خدا کے لیے مٹی یوں چھوڑ کر تباہ۔ تمہارا بھائی
تمہارے لیے مٹی کی پائے گا۔ بولو۔ بتاؤ مجھے۔
اس نے مٹی کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں
تھام کر آنسو میں اندر لے۔

”دیکھنا مٹی۔ اچھی تو اس نے غصہ اٹھا کر
کوٹے میں جیوڑی مریم کی طرف دیکھا۔
”اچھی تو بہت کچھ دیکھتا تھا جیسے اور کون سے مٹی
سے لیے ارادے کا ہاتھ لیے سفر کے لیے۔
”خود کر عقیدہ شہر نے اسے کندھوں سے

تھام کر ساتھ لگا لیا۔

”تم نے دیکھا شہر! انہوں نے میری مصوم
بہن کے ساتھ کیا کیا۔ کس بڑی طرح مارا ہے اسے۔
کتنے زخم آئے ہیں اس کے بدن پر۔ دیکھو۔ اس کے
نازک ہاتھوں کی نازک انگلیوں کو کس طرح توڑا گیا
ہے۔ دیکھو اس پاک چہرے پر کس طرح نوحہ مصوف
کئی ہے۔ یہ کم اسے دفن، اپنی سرزمین پر بھی لے
غیر محفوظ ہو گئے ہیں شہر! بس یہی باتیں انسانی ہیں
میرا دماغ۔ میں دیکھ لوں گا ایک ایک کو۔“

”اتنی جلدی مصومت مارا کرو۔ تم تمہارے ساتھ
میں صرف مٹی کا ہی نہیں ہو اس سرزمین کی ایک
ایک صورت کی بے حسی کا بدلہ لینا ہے۔ وہ سب بھی تو
ہمارا ہیں۔“

وہ اس کے ہاتھ تھامے سہلا تا رہا اور عقیدہ شاہ
اس بے حد مضبوط انسان کا چہرہ دیکھے گیا۔ جو ہر کرب
آنکھوں میں ہی دفن کرنے کا فن جانتا تھا۔ رات ہی
تو ملاحت، شہر اور شہر یا فو کو ساتھ لے کر نکلی تھی۔
اور شہر ادبنا کے باہر ہی وہ ٹھیکری گئی تھیں۔ اور پھر
جو شہر اس واوی کی تمام عورتوں کا گیارہا تھا وہی
ان کا بھی کیا گیا تھا۔ شہر اور شہر یا فو اپنے گھر میں
بے ہوش پڑی تھیں اور ملاحت نے سارے ناتے
توڑ دیے تھے۔ اس کے ذہن سے۔ اور اس کا دل اسے
محسوس ہوا تھا جیسے وہ بالکل تنہا رہ گیا ہو۔ کتنے کو
شہر احمد تھا اس کا تم خوار دوست اس کے ساتھ تھے
ایک آواز پر ایک کھینے والے۔ اور وہ حقیقی لڑ رہا
ہوا۔ جنہوں نے مصیبت کے وقت سے پناہ دی تھی اور
کبھی اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ لیکن ان
تمام سہاروں، ان تمام رشتوں کے باوجود وہ غوفی
رشتوں سے بالکل غلام ہو گیا تھا۔

”بابا کہہ رہے ہیں۔ کھانا کھا لیں۔“
وہ ہرے سے کبھی ٹھوکتی۔ اس نے نقش لیٹ
کڑا ق میں رکھا اور باہر نکل آیا۔ دیوار کے ساتھ کئی
چار پانی پر شہر دراز پایا اور ان پر چھکی ہوئی کشمی پیر
و جیسے کچھ کبر کی مٹی اور باہر جواب میں سر ہلا رہے تھے
کوٹے میں بیٹھنے مٹی کے چہرے میں گیلی گولوں کو پھونک

مار مار کر جلانے کی کوشش کرتی مریم کے کان اٹی
 دونوں کی طرف گئے ہوئے تھے۔ وہ کھٹکھٹاتا ہوا
 آگے بڑھا نکلتی سیدھی پرتی اور پھر اس کی طرف
 دیکھنے پر نکل گئی۔ وہ باغی پر تل گیا۔
 ”تمہارے زخم اب کیسے ہیں آکھانے پر چھا۔
 ” دل کے زخم تو اور گہرے ہوئے ہیں بابا۔ اور تم
 کے زخم کچھ خشک ہوئے ہیں لیکن بابا۔ ابھی میں
 رانگل نہیں چلا سکتا۔ میرا دایاں ہاتھ کا پتلا ہے۔
 انگلیوں میں کچھ پیرا پیرا ہوا ہے۔ اور مجھے یہ
 پریشانی ہے کہ میں کب تک باغی پر ہاتھ دھرتے
 بیٹھا رہوں گا۔
 اس کے بچے میں نامعلوم سا دکھ آتا تھا۔
 ” سب مشک ہو جائے گا۔ اللہ مشک کرنے والا
 ہے۔ انہوں نے اس کی پشت کو تھپکا۔
 ” میری بات غور سے سننا بیٹا۔
 وہ جو چھپے میں مدھم مدھم سسکتی آگ پر
 نظر میں جھانے بیٹھا تھا۔ چونکا ہوا ” اس نے سوائے
 نظریں بابا کے مضطرب چہرے پر بھجادیں۔
 ” بہت مان ہے مجھے تم پر۔ اور یہ بھی یقین
 کہ تم میری بات نہیں مانو گے۔
 مریم۔ ملاحظہ کے بعد اور بھی خود کو اجنبی
 محسوس کرنے لگی تھی۔ ہر وقت بھی ہوتی رہتی
 ہے۔ مشک ہے۔ میں اسے پٹنی بھٹتا ہوں اور
 وہ ہے بھی میری بیٹی۔ لیکن غصہ یہ جو باپ اور
 بیٹی کا رشتہ ہوتا ہے۔ ایک خاص وقت تک
 کھٹکا کا علم دار ہوتا ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ کبک باپ
 تمام عمر اپنی اولاد کی حفاظت میں کوشاں رہتا ہے
 مگر جو تحفظ شوہر دے سکتا ہے ناں۔ وہ باپ اور
 بھائی نہیں۔ یوں بھی میری سانسوں کا کیا بھروسہ کر
 ہم نے اسے پناہ دی ہے بیٹا تو اسے ایک مضبوط
 چھت دینا ہمارا فرض ہے۔ اور یہ چھت صرف تم
 ہی اسے فراہم کر سکتے ہو۔ اپنا نام دے کر وہ ایک
 بابا۔ یہ گھر اس کا اپنا گھر ہے۔ وہ اسے اپنا
 سمجھے۔ ہر قسم کا خوف دل سے نکال کر۔ میں تو
 میں تو بابا کسی کو بھی نہیں دے سکتا۔ اگر غصہ نہ
 سکتا تو ان ہزاروں ماؤں اور بہنوں کو بھی دیتا جو۔

اور تودہ ملی۔ کیا میں اسے نہ بچا لیتا اگر میرے پاس
 کچھ بھی ہوتا۔ میرے تو اپنے دامن میں ہزاروں بچے
 ہیں، میں کسی کو کیا دے سکتا ہوں۔ کوئی خوش نہیں
 کوئی آسائش نہیں۔
 اور پھر کیا بھروسہ ہے زندگی کا۔ ہانڈ کی چھال
 میں زندگی گزارنے والے کسی بھی شخص کا قبر میں
 سکتے ہیں۔ تو کیا یہ ضروری ہے کہ میں اسے ایک
 ناقابل اعتبار چھت فراہم کروں، جس کے بارے
 میں یہ بھی پتا نہ ہو کہ وہ کب اڑ جائے۔ چھپا بابا۔
 اس سے تو بہتر ہے وہ پوتی بیٹی سے اور اپنے
 نصیب کا انتظار کرے۔ بچاے اس کے کہ جوتی کی
 سفید چادر اوڑھ کر باقی کی عمر گزار دے۔ وہ اللہ
 کھڑا ہوا۔
 ” تو وہ تو نازا و زمان مقابلہ تمام پر۔ وہ بھی تم
 نے آج فتح کر دیا۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھے دھڑ
 ہو گئے۔
 ” ہمیں بابا۔ آپ مجھ سے جو چاہیں منوالیں۔
 ” لیکن۔
 ” لیکن نہیں۔ عینوں اور سان کے درمیان لیکن
 نہیں آتا۔ وہ اس کی بات کاٹ کر لو گئے۔
 ” بس تمہیں میری بات ماننا ہوئی۔ پتہ لگنے
 ” آپ نے مریم سے پوچھا ” اس نے پھر نہ اٹھایا
 ” مریم میری بیٹی ہے۔ اسے میرے فیصلہ پر کوئی
 اعتراض نہیں ہوگا۔
 انہوں نے بے حد غصے سے سانسے بیٹھی مریم
 کی طرف دیکھا۔ جو کئی کئی دنوں کا دھواں آنکھوں میں
 سمائے گاؤں پر پھسل آئے والے شفاف موتی
 چن رہی تھی۔
 ” اچھا بابا، اس نے جیسے ہار مان لی۔
 ” جیو۔ بیٹا جگ جگ جیو۔ انہوں نے اس
 کی پیٹ پشانی پر دم کھینچ دیا۔ وہ ڈالیں
 اور وہ آئے والے کل پر غور کرتا باہر نکل گیا۔
 ” شکر کشمی اتم میرے راستے میں مت آیا کرو۔
 مجھے خواہ مخواہ ختم آئے لگتا ہے۔
 اس نے پھاڑ کھانے والے بچے میں کہا تو وہ

کھٹکا کر ہنس دی۔
 ” اللہ ہے کہ تم اس طرح ہنس سکتی ہو لیکن
 ہمارے منہ کھلنے پر بھی کڑوا کر دنا خدا عمل ہو جائے
 گا۔
 وہ حسب عادت طنز کے حق پر سانسے لگا لے کر
 ہنسی کی آنکھیں دھواں ہنسی لیکن اگلے ہی لمحہ
 بارسل ہوئے ہوئے ہوئی۔
 ” راجا کھمار جی نا میں تو آپ کو یہ بتانے آئی
 تھی کہ آج کے چھپے میں میرا چھپ چکا ہے، اسی
 سلسلے میں، فرح آپ کی تلاش میں سرگرواں
 ہے۔ آپ اگر کچھ کر سکتے ہیں۔
 ” کر سکتے ہیں۔ وہ اس کی بات کاٹ کر
 گویا ہوا۔
 ” کہ تو سب کچھ آپ نے دیا۔ کس نے کہا ہے
 آپ سے ہمارے بارے میں کچھ نہیں۔ کیوں
 ڈھنڈا اور پیٹ رہی ہیں آپ ہمارے بے بسی کا۔
 بتا رہی ہیں سب کو ہم سے مدد معلوم ہیں، جب چاہے
 جو چاہے ہیں۔ تو انہوں نے مول بیچ کر دام کھے
 کرے۔ ہمارا درد دے۔ ہم خود ہی ٹھیک نہیں گئے
 لیکن خدا کے لیے میرے مسئلے میں موت آنا، ذرا اب
 مجھے خود پر اختیار نہیں ہے۔ اور میں کچھ نہ کچھ
 کر نہیںوں گا یا وہ مجھے سے اگلا لگتا تھا۔
 ” دیکھیں غصہ۔ ” وہ بچہ کی گئی۔
 آپ کیسے یقین کریں گے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں بیٹا۔
 ہندو جتنا آپ کی نظر میں سب سے بڑا باپ ہے ناں۔
 میں خدا آج سے ہندو مذہب چھوڑتی ہوں۔ اگر صرف
 مسلمان ہوتی آپ کے لیے قابل اعتبار نہ تو میں
 مسلمان ہوتی ہوں۔ لیکن غصہ دھیان رکھے گا کہ کبیں
 آپ کا یہ اعتبار نہ جائے۔ اور اس کا ذمہ دار کوئی آپ کا
 ہم مذہب نہ ہو۔ میں ہندو ضرور ہوں۔ بلکہ جتنی لیکن
 آپ کی بڑائی میں سے کبھی نہیں چاہتا آپ یقین کر لیں
 بھی نہیں۔ لیکن اتنی انتہا ہے میری کہ سب سے اگلا
 باجبر رہا ہے کسی پر اندھا اعتماد مت کیجیے۔ اور
 وہ بات دھڑکی چھوڑ کر درختوں سے پھری آئی
 پانڈوی پر ہوں۔ جہاں بھی آمدورفت کے باعث ایک
 ہیوم بیکراں ہوتا اور راج دیکھا وہ سناں پڑی تھی۔

اس نے چند لمحوں تک کراس کے اسٹے قدموں کو دیکھا
 اور پھر آگے بڑھ گیا۔
 ” یار آج کا کپڑا بڑھا۔ ایمان سے کیا فیچر چھاپا ہے
 اس کیفیت نے، لیکن نام نہیں لکھا۔ شبیر نے اخیار
 اس کی طرف بڑھایا۔
 ” بڑھ لوں گا، تم آج رات کا پروگرام فائنل کرو
 اس نے اخیار پر کر ایک طرف ڈال دیا۔
 ” آج رات کا پروگرام تو فائنل ہے ہی فراز آئے
 یاں غصہ، میں نے ایک بات نوٹ کی ہے۔ وہ سرگوشی
 میں ہوا۔
 ” کیا؟ ” غصہ نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا
 ” ایک سیاہ پوش شہا سے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ بہت
 جگہوں پر میں نے اسے شہا سے ساتھ دیکھا ہے نہیں
 خبر ہے؟
 ” کیا؟ ” وہ حیران رہ گیا عتا شیر کی بات سن کر۔
 ” مجھے تو آج تک پتا نہیں چلا۔ کون ہے وہ؟
 ” وہی جو اس روز ” چھپا۔ ” کی اطلاع دینے آیا تھا۔
 میں تو مجھ پر ہاتھ کر تم جانتے ہو۔ بہر حال اب پتا چلنا
 ضروری ہو گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ ڈبل کراس کر رہا
 ہو۔ مجھے تو اس پر ایک اور شک بھی ہے۔ وہ وہ
 جہیں سے خوف آئے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کا
 پتا آج کل میں چلاؤں گا۔ باقی تم بھی ہر شہا پر مارو
 ” مانتا ہوں جن کی دعا میں مجھے زنداں سے لے
 آئی تھیں زندہ سلامت اب وہ بہنیں نہیں رہیں لپ
 تو واقعی مجھے پشیمار زہنا چاہیے۔ اس کے ماتھے پر
 مسلوٹن کا حال گہرا ہو گیا تھا۔
 ” مریم مریم۔ اور خدا دیشا بابا کی پکار پر وہ
 باہر نکلی۔
 ” گما بابا۔ اس نے قریب آکر پوچھا۔
 ” دیکھ جیٹا انہوں نے ایک گھڑی کھولی۔
 ” یہ شہا راجا کی چوڑا۔ انہوں نے سرخ رنگ کا
 لباس اس کی طرف بڑھایا۔
 ” بابا۔ ” وہ گنگ ہو گئی۔
 ” یہ میری بیٹی کا تھا، بڑے ارمانوں سے بنایا تھا
 میں نے، لیکن وقت نے اسے مہلت ہی نہیں دی۔

شاید اس لیے کہ یہ تمہارے نصیب میں لکھا تھا اور نصیب میں تو شریک نہیں ہوا جا سکتا ناں! انہوں نے اس کے سر پر دست شفقت رکھا مریخ کی آنکھیں جل چکی ہو گئیں۔

”جب میں کوئی اعتراض تو نہیں ناں میرے نصیب پر غصہ نہ اٹھاؤ گا ہے۔ یہ دعا چھا۔ اور تم! ان کی بات اور حوری رچی۔ اسی وقت وہ چلا آیا تھا۔

”یہ کیسا ہے بابا! یہ جتنا شکا سا میرا تھا اس کا مریخ کا چوڑا سب سے لڑا لڑا ہے۔ مریخ اچھڑ کر نذر چلی گئی تھی۔

”ہوں! اچھا ہے! وہ چار پانی پر لڑے گی۔

”اس جتنے کو میں نے تمہارے دوستوں کو ہوا ہے۔ نیک کام میں دیر نہیں کرنا چاہیے نہ بابا بتا ہے۔

”جیسی آپ کی مرضی! اس نے کروٹ بدل لی۔ اس وقت وہ اس نقاب پوش کے متعلق سوچ رہا تھا جو پر مشکل وقت میں اس کے آگے ڈھال بن جایا کرتا تھا آدھ ہے کون! اس کے ذہن سے یہ لکھی سلھائے نہیں سلھ رہی تھی۔

”سوچتے ہو! ہا ہا ہا پوچھا۔

”نہیں۔ جاگ رہا ہوں اور سوچ رہا ہوں کب تک میں لوں مہو درنا پیشاد ہوں گا۔ پتا نہیں کب یہ زخم بھرے گا اور کب میں! اس کی نظر میں مریخ پر چاٹ رہی وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنی طرف دیکھتا پاروہ دوسری طرف متوجہ ہو گئی۔

”اور کب تک اس قابل ہو سکوں گا۔ کہ دشمن کے خلاف لڑ سکوں! اچھا بابا۔ میں نے جا رہا ہوں۔ شبیر آئے تو اسے نیچے ہی بٹکا دیا! وہ اٹھ کر نیچے چلا گیا۔

”ہر وہم تو بہت اچھا ہے اسے آپ نے! اس نے طنز و لہجہ سے سانسے کھڑی اس زرد ہونٹ لڑکی کی طرف دیکھا۔ جو لوں نقاب ہو جانے پر سخت سراپیم نظر آ رہی تھی۔

”راج پتے کا کتنے چھاپے پڑوا چکی ہیں آپ اور کتنی معصوم جانیں لی ہیں! وہ اس کے پاروہ طرف کھیم کر لیا۔

”میں نے آج تک کوئی جان نہیں لی! ہاتھ لڑنے زبان کھولی۔

”خوب! وہ ہنسا۔

”میں اس ڈر لڑائی کا پوچھ سکتا ہوں! دیکھیے شبیر صاحب! اس نے لب و لہجہ سے تانے بچانے! آپ مجھے عطا کچھ ہے۔ میں اسے اس کی کوئی حرکت نہیں کی! وہ آپ تو میرا نام بھی جانتی ہیں! سبیل ہونے اپنا نام بھی بتا دیکھیے!

”میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔ سب آپ ہی یقین کر لیں کہ میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔ میں غصہ شاہ کے ساتھ کیوں نہ رہی ہوں۔ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ اور یہ کسی کو بھی بتا سکتی ہوں۔ ہرگز نہیں ہوں میں۔ اگر آپ سلمان ہیں تو اس بات پر یقین کر لیں میں آپ کے ساتھ متعلق ہوں! میں نے وہ لوں! انھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا لیں کہ یہی میں اسی کو نیاں میں نے تمہارے حق میں یہ کہہ کر کہہ کر کچھ بچاؤ کس نے تمہیں غصہ کے لیے لڑا ہے اور کیا مقصد کے کرتے ہو! میں داخل ہوں ہوں! اس کا بچہ ہے پتا نہ سمجھ سکتا ہو گیا تھا۔

”آپ مجھے جانے دیں اسی میں بہتری ہے! اپنا اعتماد بھال کر چکی تھی۔

”جب تک آپ بتائیں گی نہیں تب تک آپ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ براہ مہربانی جلدی فرمائیے مجھے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں! وہ دروازے کے تھوڑے تھوڑے ٹک گیا۔

”دیکھیں شبیر بھائی! مجھے جانے دیں۔ وقت بہت قیمتی ہے میرا بھی اور آپ کا بھی! وہ ملتتی ہونے میں ہوئی۔

”آخر تم بتا کیوں نہیں دیتیں۔ ایسے تمہاری جان نہیں چھوٹنے والی! اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔

”میں! اس نے لب کاٹے! میں! وعدہ کوئی ہوا کہ آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔ آج مجھے جانے دیں غصہ کے لیے! وہ ایک دم اس پر چھوٹی۔ اسے دھکیل کر رہے

”میں نے آج تک کوئی جان نہیں لی! ہاتھ لڑنے زبان کھولی۔

”خوب! وہ ہنسا۔

”میں اس ڈر لڑائی کا پوچھ سکتا ہوں! دیکھیے شبیر صاحب! اس نے لب و لہجہ سے تانے بچانے! آپ مجھے عطا کچھ ہے۔ میں اسے اس کی کوئی حرکت نہیں کی! وہ آپ تو میرا نام بھی جانتی ہیں! سبیل ہونے اپنا نام بھی بتا دیکھیے!

”میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔ سب آپ ہی یقین کر لیں کہ میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔ میں غصہ شاہ کے ساتھ کیوں نہ رہی ہوں۔ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ اور یہ کسی کو بھی بتا سکتی ہوں۔ ہرگز نہیں ہوں میں۔ اگر آپ سلمان ہیں تو اس بات پر یقین کر لیں میں آپ کے ساتھ متعلق ہوں! میں نے وہ لوں! انھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا لیں کہ یہی میں اسی کو نیاں میں نے تمہارے حق میں یہ کہہ کر کہہ کر کچھ بچاؤ کس نے تمہیں غصہ کے لیے لڑا ہے اور کیا مقصد کے کرتے ہو! میں داخل ہوں ہوں! اس کا بچہ ہے پتا نہ سمجھ سکتا ہو گیا تھا۔

”آپ مجھے جانے دیں اسی میں بہتری ہے! اپنا اعتماد بھال کر چکی تھی۔

”جب تک آپ بتائیں گی نہیں تب تک آپ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ براہ مہربانی جلدی فرمائیے مجھے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں! وہ دروازے کے تھوڑے تھوڑے ٹک گیا۔

”دیکھیں شبیر بھائی! مجھے جانے دیں۔ وقت بہت قیمتی ہے میرا بھی اور آپ کا بھی! وہ ملتتی ہونے میں ہوئی۔

”آخر تم بتا کیوں نہیں دیتیں۔ ایسے تمہاری جان نہیں چھوٹنے والی! اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔

”میں! اس نے لب کاٹے! میں! وعدہ کوئی ہوا کہ آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔ آج مجھے جانے دیں غصہ کے لیے! وہ ایک دم اس پر چھوٹی۔ اسے دھکیل کر رہے

”میں نے آج تک کوئی جان نہیں لی! ہاتھ لڑنے زبان کھولی۔

”خوب! وہ ہنسا۔

”میں اس ڈر لڑائی کا پوچھ سکتا ہوں! دیکھیے شبیر صاحب! اس نے لب و لہجہ سے تانے بچانے! آپ مجھے عطا کچھ ہے۔ میں اسے اس کی کوئی حرکت نہیں کی! وہ آپ تو میرا نام بھی جانتی ہیں! سبیل ہونے اپنا نام بھی بتا دیکھیے!

”میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی۔ سب آپ ہی یقین کر لیں کہ میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔ میں غصہ شاہ کے ساتھ کیوں نہ رہی ہوں۔ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ اور یہ کسی کو بھی بتا سکتی ہوں۔ ہرگز نہیں ہوں میں۔ اگر آپ سلمان ہیں تو اس بات پر یقین کر لیں میں آپ کے ساتھ متعلق ہوں! میں نے وہ لوں! انھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا لیں کہ یہی میں اسی کو نیاں میں نے تمہارے حق میں یہ کہہ کر کہہ کر کچھ بچاؤ کس نے تمہیں غصہ کے لیے لڑا ہے اور کیا مقصد کے کرتے ہو! میں داخل ہوں ہوں! اس کا بچہ ہے پتا نہ سمجھ سکتا ہو گیا تھا۔

”آپ مجھے جانے دیں اسی میں بہتری ہے! اپنا اعتماد بھال کر چکی تھی۔

”جب تک آپ بتائیں گی نہیں تب تک آپ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتیں۔ براہ مہربانی جلدی فرمائیے مجھے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں! وہ دروازے کے تھوڑے تھوڑے ٹک گیا۔

”دیکھیں شبیر بھائی! مجھے جانے دیں۔ وقت بہت قیمتی ہے میرا بھی اور آپ کا بھی! وہ ملتتی ہونے میں ہوئی۔

”آخر تم بتا کیوں نہیں دیتیں۔ ایسے تمہاری جان نہیں چھوٹنے والی! اس پر ذرا بھی اثر نہیں ہوا۔

”میں! اس نے لب کاٹے! میں! وعدہ کوئی ہوا کہ آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔ آج مجھے جانے دیں غصہ کے لیے! وہ ایک دم اس پر چھوٹی۔ اسے دھکیل کر رہے

بغیر ان کے زخمی سینے پر پانچ دھکے جہاں سے خون بہا
 جیل بہہ رہا تھا۔
 "اس کی فکر چھوڑ دو، دوسری آ رہے ہیں۔ تم
 نکل جاؤ جہاں سے، انہوں نے اسے پرے دھکیلا۔
 "نہیں بابا میں آپ کو کیسے چھوڑ کر جیں جاؤں گی؟
 اس کی بابا کے ہاتھوں پر گرفت سخت پڑ گئی۔
 "میں۔ کہتا ہوں۔ تم۔ یہاں سے جلی جاؤ۔"
 وہ چلائے۔
 اس نے بے بسی سے باقی کی ڈیڑھ مچھلی کی
 طرف دیکھا۔
 "تمہیں غصہ کی قسم۔ مریم جلی جاؤ۔" بالآخر انہوں
 نے آخری حربہ آزمایا اور اسے مشکل میں ڈال دیا۔
 "بابا میں آپ کو چھوڑ کر کیسے؟" اس نے تم آنکھوں
 سے ان کی طرف دیکھا جو خون بہہ جانے کے باعث
 نیم بے ہوش ہو رہے تھے۔ اس نے ایک نظر زخمی
 وجود پر ڈالی۔ اور چادر کو اچھی طرح لپیٹ کر کھینچ لی
 دیوار پھٹا تک کہ باہر نکل گئی۔
 "اللہ اپنی امان میں رکھنا، بابا کے کانٹے لہلوں
 سے دعا نکلی اور ساتھ ہی ان کا حوصلہ بھی دم توڑ گیا۔
 "لوڑھا تو مر گیا، کوئی چیتنا۔ بے آواز نہیں اس
 کے لبوں پر دم توڑ گئی۔ اس کے ساتھ ہی اللہ سے انشا
 پر مٹی کی آوازیں آنے لگیں۔ لوگوں کی دھمک، برتنوں
 کے ڈنکے کی آواز۔ بہت سے آوازیں مل مل کر عجیب
 شکل اختیار کر گئی تھیں۔
 "گلتا ہے وہ۔ ایک غلیظ گالی دے کر اس نے
 کہا۔ ساتھ ہی سے گیس بے اپنی منگو کو کہہ
 "ہاں یاد رکھو، جی ایسا گلتا ہے۔ چلو وہاں چلیں۔"
 دوسری آواز آئی۔
 "نہیں کوئی واپس نہیں جائے گا، نیک اور حکم
 بھری آواز ابھری۔
 "اتنی جلدی زدگی کہاں جاسکتی ہے۔ ہمارے بچہ
 نے خود اسے یہاں دیکھا ہے۔ اسے اس پاس کے
 گھروں میں تھاکس کرو۔ شتاب سے بے حد سینے سے
 ایک مکرہ جھپٹہ بلند ہوا اور مریم کو اپنی سانس
 بند ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے کہیں جانے کے بجائے
 ہچکچاہٹ سے کی طرف ہی پناہ لی تھی۔ اس کا خیال تھا

"لگ۔ کیا۔؟" وہ منہ کی "تمہارے پتا ہی؟ اس
 کی آنکھوں میں خوف لرزے لگا۔
 "وہ سب کبھی جا چکے ہیں۔ میں تمہا ہوں اپنے
 گھر میں اب ہم دو ہو جائیں گی۔
 "تم۔ تمہیں ڈر کیوں نہیں لگا کشمی؟ اس نے
 حیرانی سے اس لڑکی کو دیکھا۔
 "ارے جی اپنی زمین، اپنا آسمان ڈر کیسا؟
 وہ مقبوضہ اسما سکاڑی۔
 "تمہیں ڈر لگتا ہے نا۔ اس لیے تمہیں ڈرنے
 بہت سے واقعات آجائے ہیں، مجھے ڈر نہیں
 لگتا اس لیے میں خود واقعات بنانے لگی کھڑی ہوتی
 ہوں۔ وہ ایک جگہ پڑ گئی۔
 "لو میں کچھ بیٹھی ہوں تم سے ملنے کے لیے لڑکی کو کہہ
 دیوار پھٹا تو وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔
 "اندر کوئی ہے تو جیہیں؟" مریم نے ڈرتے ڈرتے
 اس پر باؤں رکھا۔
 "شام تک تو کوئی نہیں تھا اب اگر مجھے انتظار
 کے لیے کوئی آیا ہو تو کہہ نہیں سکتی؟
 "ہم سیدھے رستے سے اندر کیوں نہیں جا رہے،
 یہ تو تمہارا گھر ہے؟" وہ دوبارہ نیچے اتر آئی۔
 "جی اس لیے کہ چاہتا ہوں کہ ساتھ لے گئے ہیں
 تالا توڑا بھی جاسکتا ہے لیکن اس طرح لوگوں کو
 شک ہو جائے گا۔ اب تم جلدی کرو مجھے اور جی
 بہت سے کام چٹانے ہیں۔
 "مریم نے اس پر باؤں جھمائے اور دیوار پر ہاتھ
 کر دیویری جانب کو دھکی۔ اسی وقت کشمی بھی اندر
 آ گئی۔
 "تم یہیں بٹھو۔ میں اندر کا مائزہ لے آؤں۔"
 کشمی اسے دیکھ کر اس نے کالہ کر کے خود آگے بڑھ
 گئی۔
 "کشمی تو واقعی بہت بہادری ہے؟" وہ وہیں
 دیوار سے ٹیک لگائے اس نے متعلق سوچے سمجھے۔
 "آجائے سب کچھ ٹیک ہے؟" وہ اسے ساتھ لے
 اندر چلی آئی۔
 "اس کمرے میں میں آن کل رہا ہوں پڑے ہوں ناں

نے ایک دروازہ کھولا۔ کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی پھیلی
 ہوئی تھی۔
 "کھڑکیوں، دروازوں پر مہاری پرورے ہونے
 کی وجہ سے باہر روشنی نہیں جاسکتی، اس لیے تم نے
 بے خوف و خطر ہو کر بٹھو؟ اس نے مریم کو ایک
 کرسی پر بٹھایا اور سائیدہ پر رکھے چھوٹے کپاس
 چلی گئی۔
 "مجھے پتا ہے تم کل سے بھوکے ہو؟
 اس نے ریس اس کے سامنے رکھی۔ وہ
 واقعی کل سے بھوکے تھی، شام کو جو مقبوضہ اس آٹا پڑا
 مقادہ اس نے بابا کے لیے روٹی پتائی تھی۔
 "بابا، اس کے ذہن میں لپکا لپکا کیک کھل کر نکل
 "کشمی وہ بابا۔ وہ تو دیسے ہی پرے ہوں گے
 وہاں پر کسی نے سنبھالا بھی نہیں ہو گا۔ آف۔
 اس کی آنکھیں پانیوں سے لبریز ہو گئیں۔
 "نہیں۔ مریم۔ بابا وہاں نہیں ہیں۔ کشمی نے
 دھجے سے کہا تو وہ چلی۔
 "کیا مطلب؟ کہاں گئے بابا؟"
 "وہ لے گئے۔ کہہ رہے تھے کہ ہم غصہ کو ایسے ہی
 گرفتار کریں گے۔ وہ خود مل کر مجھے پاس آئے گا۔
 مجھے وہاں پہنچنے سے قبل ہی وہ انہیں لے جا
 چکے تھے، ورنہ میں انہیں کبھی نہ لے جاتے دیتی؟
 وہ اسے کن حوصلے سے منقلے والے دیتی رہی
 بڑی مشکلوں سے وہ اسے مقبوضہ اس کا کھانا کھلانے پر
 رضا مند کر پاتی۔
 "اب تم آرام کرو۔ درنا ہاں نکل نہیں۔ میں مقبوضہ اس
 کام گزارا بھی آ جاؤں گی؟" وہ اسے کبھی آنے کھڑی
 رہتی۔
 "دروازہ اندر سے بند کر لینا۔ کھولنا ہاں نکل نہیں۔
 میں جب آؤں گی خودی کھول دوں گی۔ اچھا؟
 وہ باہر نکل گئی۔ وہ ابستہ روی سے چلتی دروازہ
 تک آئی۔ غریب بوائے میں دور دور تک اندھیرا تھا۔
 ایک پارا پار خاموشی اس نے ایک جھرجھری سی کر
 دروازہ بند کر لیا۔
 "میں نے اس نے آنکھیں موند لیں اور ہونے
 کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن مارے خوف کے قہر بھی

کوسوں دور تھی وہ کہ وہیں بدل بدل کر یادوں میں اچھی رہی۔ اپنے گھر سے ملاحت کے گھر اور پھر کشمیر کے گھر تک کی تمام مسافرتیں وہ زمین میں لائی رہی۔

”پتا نہیں عضو کس حال میں ہوگا؟“ اس نے سوچا اس دن کے بعد سے وہ واپس نہیں آیا تھا اور اب کیا خبر وہ گھر چلے اور وہاں نہ پا کر وہ کیا کہے، ہائے کوئی اسے پتا تو ہے کہ کیا ہوا ہے۔

دروازے پر کھٹکے ہوئے وہ بڑا کراہتا بیٹھی۔

بوسے بوسے دروازہ کھٹکا اس کے لبوں سے تیز تھکے تھکے رہ گئی کیونکہ اسے والی کشمیری لہجے کی آواز کی جان میں جان آئی۔

”خوفزدہ ہو ابھی تک۔“ وہ انداز سے بولے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”مجھے حیرت ہے کہ تم اتنی ڈر لو کہ کیوں ہو؟ خصوصاً آج کے حالات میں۔ اور پھر اتنا عرصہ ملاحت وغیرہ کے ساتھ گزار کر بھی یہ۔“

”بس۔ کشمیری۔ خوف میرے اندر اس طرح رچی بس گیا ہے کہ کسی طور چھٹکا رہا نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہاری طرح بہادر ہوں۔ لیکن میرے اندر کا خوف مجھے قدم اٹھانے نہیں دیتا۔“ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا کشمیری جانے نماز بچھائے کھڑی تھی۔

”تک۔ سچی۔ تم۔“ ”مارے حیرت کے وہ لنگ ہی تو رہ گئی۔“

”ہاں میں مسلمان ہو چکی ہوں۔ ایک سکواٹ اس کے بولوں کو چھو گئی۔

وہ نماز میں مشغول ہو گئی۔ وہ ایک تک اس کے روبرو بیٹھ رہی دیکھتی رہی۔ نماز پڑھ کر اس نے دعا مانگی اور مریم نے دیکھا کہ آسو ٹوٹ ٹوٹ کر ہتھیلیاں میں جذب ہو رہے تھے۔ خشوع و خضوع سے دعا مانگ کر اس نے جانے نماز پڑھ کر دیوار کے ساتھ بیٹھ چاقے پر دھکی اور مریم کے قریب آ بیٹھی۔

”ہاں۔ اب پوچھو کیا پوچھنا ہے؟“

”تم۔ کب۔؟“ اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ کیا پوچھے بہت دیر پہلے کی بات ہے۔ کوئی خبر پھر عرف اس لیے یقین نہیں کرتا تھا کہ میں دشمن قوم کی جینی ہوں۔ میں اس کی خبر خواہ تھی، لیکن وہ مجھے اپنا

دشمن ہی تصور کرتا رہا۔ اور پھر میں نے اسماء اپنا لیکن وہ اب بھی اتنا ہی بے یقین ہے۔ مشکوک ہے۔ میرے بارے میں۔ اسے اب بھی مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔ مجھے اس کی پروا بھی نہیں۔ خدا جانے کہ میں اپنے مقصد میں مطلق ہوں۔ اور کوئی سمجھے نہ سکے کہ میں ”کون ہے وہ؟“ ”مریم نے اس کی آنکھوں میں آنسو پڑا۔“ ”وہ۔“ ”وہ ہنسی۔“

”میرا بچپن کا ساتھی۔ مجھے حسین جڈیوں کا دل دینے والا۔ اور پھر اپنے ہی ہاتھوں سے خواب لوہنے والا۔ لیکن مجھے اس سے کوئی شکوہ نہیں۔ کہ وہ بھی بھروسہ میں ملاتی ہوں۔ وہ اب بھی میرے بارے میں سوچتا ہے لیکن وہ جو ایک دیوانہ فانی کی طرح ان دوشیوں نے میرے اور اس کے درمیان۔ ہر ایک اس کی دیوار کے گرنے کی منتظر ہوں اور پھر ہمیں ایک بوسے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔“

وہ آنکھیں میچے جانے کہاں گم تھی اور ایک جذبے کے عالم میں ہل رہی تھی۔

اس نے بے یقینی سے شبیر احمد کی طرف دیکھا۔

”کیا یہ سچ ہے؟“

”مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا، لیکن میں۔“

خود وہاں جا کر دیکھ کر آیا ہوں۔ مریم لائیب سے اور لوگ کہتے ہیں کہ پایا کو فوج اٹھا کر لے لی تھی۔

شبیر نے دھبے سے تکیا۔

”اوہ۔ مریم کہاں گئی؟ تمہیں یہ خبر دی کس نے تھی۔ پایا مریم۔“ ”وہ اضطراب کے عالم میں ہلنا ہوا ہوا۔“

”اسی نقاب پوش نے جو اب تک ہمیں ایسی خبریں پہنچاتا رہا ہے۔“

”مجھ وہ یہ بھی جانتا ہوگا مریم کہاں ہے، سٹو۔“

شبیر، تم اس کو دھونڈو اور مریم کے متعلق پوچھو۔ میں پایا کے لیے کچھ کرنا ہوں۔ وہ باہر کی جانب بڑھا۔

”عضد۔“ ”کو۔“ ”بشیر احمد کے لپکارے پر وہ ہلے۔“

”ہوں!“ اس نے سوا کیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا جو سخت تذبذب میں نظر آ رہا تھا۔



صدائیں اور غما بازی شیمپو بالوں کے لیے مضر، جڑی بوٹیوں اور دھیمی نشتوں سے بال صاف نہیں ہوتے۔

پھر بال کس چیز سے دھوئیں؟

سونیا شیمپو

بالوں کے تمام مسائل کا حل ہے

جید مشینوں نے جڑی بوٹیوں کا عرق

لے کر آسان بنا دیا ہے، آملہ، ریٹھا،

سیکوار، سوکھا کالی اور دوسری جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ

سونیا شیمپو

میں ٲٲٲٲ ای شامل ہے جو بالوں کو نرم و مضبوط اور سلیکے بناتا ہے۔ یہ گھریلو طور پر تیار کیا گیا ہے اور کسی بھی قسم کے مضر اجزاء سے پاک ہے۔

قیمت فی شیشی 45/- روپے

سونیا شیمپو مندرجہ ذیل مہلوں پر دستیاب ہے

- عبدالملک سادہ کار، کئی ٹیکسٹائل
- نزد ماٹا، الہ آباد، ایک شاپ، برنس روڈ، کراچی
- شو ٹائم 8/2، بیت القرقان، بکر پور، رتھ
- کے بار، مین یونیورسٹی روڈ، گلشن اقبال، کراچی

دوسرے شہروں میں رہنے والی تمہیں ایک شیشی کے لیے 60/- روپے دوشیشیوں کے لیے 110/- روپے تین شیشیوں کے لیے 150/- روپے ساتھ دیے ہوئے پتے پر بھیج سکتی ہو

”کہو کیا بات ہے؟“
 ”وہ بابا کی باتوں نے اسی وقت ختم کر ڈالا تھا۔
 ان کی لاشیں وہ تھیں دھوکا دینے کے لیے ساتھ
 لے گئے تھے۔“
 اس نے نظر اٹھا کر غصہ کی طرف دیکھا۔ چلیب
 بھینچے، سرخ انگارہ آنکھوں سے ضبط کی کڑی منہ زبانی
 عبور کر رہا تھا۔
 ”اچھا۔“ وہ حرف اٹھا کہہ کر بیرونی دروازے
 کی طرف بڑھ گیا۔

”غصہ۔ خدا کے لیے تم ایک بار میری بات مان
 لو۔ یقین جانو میں کچھ کہہ رہی ہوں۔“
 کشمشی نے انتہائی بے بسی سے اس کی طرف
 دیکھا جو اب بھی ویسا ہی پتھر بنا بیٹھا تھا۔
 ”میں کہہ رہا ہوں کشمشی۔ خدا کے لیے میرے
 سامنے سے ہٹ جاؤ۔ وہ اسے ایک طرف دھکیل
 کر باہر کی سمت بڑھا۔

”دیکھو غصہ۔“ وہ پھر بھاگ کر اس کے سامنے آگئی۔
 ”وہ تھیں مار ڈالیں گے۔ میں نے خود اپنے کانوں
 سے سنا ہے۔ وہ تمہاری قیمت لگا چکے ہیں۔ تم۔
 دیکھو میں منت کرتی ہوں تمہاری۔“ وہ اس کے
 سامنے ہاتھ باندھے آکر بیٹھ گئی۔

”مجھے جانب سے۔“ وہ اٹھ اٹھ بیٹھی کہتا ہے ایک
 ہاتھ سے پرے دھکیلتا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔
 ”وہ تمہارے دوست نہیں ہیں غصہ۔ اپنی وفاداریا
 وہ گروی رکھ آئے ہیں۔ وہ جھوٹے وعاظ ہیں۔“
 وہ پیچھے چلتی چلتی کہتی گئی۔ گلی سے باہر نکل کر
 غصہ نے ایک نظر موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

”موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے کشمشی،
 شکر ہے تمہارے جیسے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں، میں
 موت کی راہ کا مسافر ہوں۔ اس لیے موت سے نہیں
 ڈرتا۔ اب تو زندگی سے ڈر لگنے لگا ہے، اتنا جیسا کہ
 چہرہ ہو گیا ہے اس کا کہ دیکھنے کو کسی جی نہیں جانتا۔
 اور مجھے اس کا بھی تم نہیں کہ میرے دوست میرے دشمن
 بن گئے ہیں۔ وہ مجھے شہنشاہ بنائے ہیں تو اس میں ان کی
 کوئی مجبوری ہوگی۔ تم باہر بار میرے سامنے میں مت آؤ۔“

آخری بات اس نے قدرت سے جھنجھٹا کر کہی۔
 ”دیکھو غصہ۔“ وہ اس کے سامنے ڈٹ گئی۔
 ”تمہیں اس محبت کا واسطہ۔ جس سے پہلی بار میرے
 اور میرے دل کے لیاؤں میں روشنی بکھیری۔ میرا یقین
 کرو۔ یقین کرو۔“
 اس نے آنکھیں بند کر کے ہونے سے کہا۔ غصہ
 کی نظریں پٹی بھر کے لیے اس کے چہرے پر طے ہو گئیں
 کا اور اس کے چہرے پر دمک رہا تھا۔
 ”میں نے یقین کیا۔ میں نے یقین کیا۔ وہ اس
 کے کندھوں پر بٹکا سا دھڑکھڑکا آگے بڑھ گیا۔ اور
 وہ کتنی دیر اس جگہ کے حصار میں مقیم رہی۔

”معاف کرنا یا، ذرا سی دیر ہو گئی۔ تم بھلا
 کی تیار کیاں مکمل ہیں؟“
 اس نے اندر داخل ہوتے ہی تمام اطراف پر
 نظر دوڑاتے ہوئے پہلے عذر کی اور پھر رات
 کے آپریشن کے بارے میں پوچھا۔
 ”ہاں سب تیار ہیں مکمل ہیں۔ ہمارے آدھے آدمی
 پہلے ہی عمارت کو چکے ہیں۔ بس رات ڈھلنے کا انتظار
 ہے۔“ غصہ نے اطلاعات فراہم کیں۔
 ”میں نے اس نے شیر کے چہرے کا جائزہ لیا جیسا
 ہی ہے رہا معصوم، غلط چہرہ۔“ انہیں ایسا نہیں
 ہو سکتا۔ دل نے گواہی دی۔

”کامران۔“ اس نے گونے میں کھڑے رائفل کا انبار
 ہٹے کامران کو پکارا تو وہ چل نکلا۔
 ”نچ۔“ جی ہاں اس کی آنکھوں میں ہلکا سا خوف
 اُبھر کر دم دم ہو گیا تھا۔
 ”کہاں تم ہو؟“ وہ اس کے قریب چلا آیا۔
 ”کہیں بھی نہیں۔“ اس نے خواہ مخواہ پیشانی پر

ہاتھ بھرا۔
 ”پتا ہے کامران۔ میں تمہارے جتنا متاثر ہیں
 نے قلم چھوڑ کر بندوق اٹھائی تھی، اور آج جب
 زندگی کے نہرے واپس اسی بندوق کے ساتھ کھینچے
 کھینچے کوڑی دھوپ میں آگیا ہوں ناں، تب میں مجھے
 اس ہتھیار سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی مجھے آتش سے
 بارہ سال قبل تھی۔ اس کے باوجود میں اسے ہر وقت

باتھ بھرا۔
 ”پتا ہے کامران۔ میں تمہارے جتنا متاثر ہیں
 نے قلم چھوڑ کر بندوق اٹھائی تھی، اور آج جب
 زندگی کے نہرے واپس اسی بندوق کے ساتھ کھینچے
 کھینچے کوڑی دھوپ میں آگیا ہوں ناں، تب میں مجھے
 اس ہتھیار سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی مجھے آتش سے
 بارہ سال قبل تھی۔ اس کے باوجود میں اسے ہر وقت

باتھ بھرا۔
 ”پتا ہے کامران۔ میں تمہارے جتنا متاثر ہیں
 نے قلم چھوڑ کر بندوق اٹھائی تھی، اور آج جب
 زندگی کے نہرے واپس اسی بندوق کے ساتھ کھینچے
 کھینچے کوڑی دھوپ میں آگیا ہوں ناں، تب میں مجھے
 اس ہتھیار سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی مجھے آتش سے
 بارہ سال قبل تھی۔ اس کے باوجود میں اسے ہر وقت

باتھ بھرا۔
 ”پتا ہے کامران۔ میں تمہارے جتنا متاثر ہیں
 نے قلم چھوڑ کر بندوق اٹھائی تھی، اور آج جب
 زندگی کے نہرے واپس اسی بندوق کے ساتھ کھینچے
 کھینچے کوڑی دھوپ میں آگیا ہوں ناں، تب میں مجھے
 اس ہتھیار سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی مجھے آتش سے
 بارہ سال قبل تھی۔ اس کے باوجود میں اسے ہر وقت

باتھ بھرا۔
 ”پتا ہے کامران۔ میں تمہارے جتنا متاثر ہیں
 نے قلم چھوڑ کر بندوق اٹھائی تھی، اور آج جب
 زندگی کے نہرے واپس اسی بندوق کے ساتھ کھینچے
 کھینچے کوڑی دھوپ میں آگیا ہوں ناں، تب میں مجھے
 اس ہتھیار سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی مجھے آتش سے
 بارہ سال قبل تھی۔ اس کے باوجود میں اسے ہر وقت

باتھ بھرا۔
 ”پتا ہے کامران۔ میں تمہارے جتنا متاثر ہیں
 نے قلم چھوڑ کر بندوق اٹھائی تھی، اور آج جب
 زندگی کے نہرے واپس اسی بندوق کے ساتھ کھینچے
 کھینچے کوڑی دھوپ میں آگیا ہوں ناں، تب میں مجھے
 اس ہتھیار سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی مجھے آتش سے
 بارہ سال قبل تھی۔ اس کے باوجود میں اسے ہر وقت

باتھ بھرا۔
 ”پتا ہے کامران۔ میں تمہارے جتنا متاثر ہیں
 نے قلم چھوڑ کر بندوق اٹھائی تھی، اور آج جب
 زندگی کے نہرے واپس اسی بندوق کے ساتھ کھینچے
 کھینچے کوڑی دھوپ میں آگیا ہوں ناں، تب میں مجھے
 اس ہتھیار سے اتنی ہی نفرت ہے جتنی مجھے آتش سے
 بارہ سال قبل تھی۔ اس کے باوجود میں اسے ہر وقت

رو گیا۔ شہادت جیسی عظیم سعادت سے یا اس نے
 اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ بہت کچھ اس کی آنکھوں میں
 سینکھ ہو گیا تھا۔ وہ ساکت نظروں سے سامنے پڑی
 لاشوں کو دیکھ رہی تھی۔
 ”یہ نا اس نے مجھے پھر کر دوسری لاش کے
 چہرے سے کھرا ہٹایا۔

”اسے جانتی ہیں آپ؟“ قدم قدم پر ساتھ دیا ہے
 اس نے ہمارا شاہ جی کا۔ عجیب بات یہ تھی کہ کوئی
 بھی نہ جانتا تھا کہ یہ لڑکی ہے۔ حتیٰ کہ شاہ جی بھی۔
 یہ تو کچھ دن قبل مجھے پتا چلا تھا کہ یہ لڑکی ہے کیا
 آپ پہچانتی ہیں اسے؟ اس نے پتھر پتی مریم کی طرف
 دیکھا۔

”پتا ہے مریم، میں اس سے پہلے پناہ عجزت کرتی
 ہوں۔ کیا ہوا اس کے ساتھ جی نہ سکی، مرنے والوں کی
 اس کے ساتھ؟“
 ”کئی روز پہلے کشمشی کا کہا ہوا جملہ اس کی ساتھیوں
 میں گونجا۔

”نک۔“ کشمشی اس کے لب غلیف سے بے۔
 ”ہاں میں جانتی ہوں کشمشی ہے، پہلے بندو بستی
 غصہ کی خاطر مسلمان ہوئی ہے۔“ وہ بولے بولے
 پروا نہ کرنے لگی ہاں بے کشمشی ہے۔ کشمشی ہے، نک۔
 کشمشی ہے۔“

”سب سزاواروں پر جیسی بیوی!“
 اب کسی ایک سے زندان ختم ہو گئے تھیں
 اب سب شوشک وغیرہ، ڈھانپ دو لوگ و قلم
 انشک تو چھوڑ دو راجن لوگ پانک کھینچ لو
 کی آنکھوں سے جاناں دیکھنا اچھا نہیں!
 ”اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ، نَفَرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ
 قَرِیْبٌ۔“ اس کے کانوں میں کسی کی پکار ہوئی۔
 وہ غصہ کے چہرے پر جھکی، دو اشک آنکھوں سے
 ٹوٹ کر گریں اور غصہ کے خون آلود بالوں میں الجھ گئے۔